edited

کلامِ مُشتاق

منشی بہاری لال صاحب مشتاق دہلوی مرحوم

کے

کلام کا انتخاب

مُرتّبہ

بھگوت سروپ دہلوی ایم۔او۔ایل منشی فاضل

لکچرار فارسی و اُردو ہندو کالج دہلی

از طرف

کائستھ اُردو سبھا دہلی

قیمت فی جلد عہ کاغذ اعلیٰ ۸ر

(دیال پرنٹنگ پریس دہلی)

[illegible]

[illegible]

سے

[illegible]

عنوان

مترجمہ

[illegible]

973

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]



منشی بہاری لال صاحب مشتاق مرحوم

فہرستِ مضامین

عرضِ حال

کائستھ اُردو سبھا دہلی اس لئے قائم کی گئی ہے، کہ اُن قابل مصنّفوں اور شاعروں کے کلام کی اشاعت کرے۔ جنہوں نے اُردو ادب میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ اور جن کا کلام ابھی تک اشاعت کا محتاج ہے۔ ایسا کرنے سے نہ صرف ان لائق ہستیوں کی یاد ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں تازہ رہے گی۔ بلکہ اُردو زبان کا سرمایہ بھی بڑھ جائیگا۔

کائستھ اُردو سبھا کی ممبری کا چندہ صرف ۴ر آنے ماہوار یعنی تین روپے سالانہ ہے۔ ہر ممبر کو ہر اشاعت کی ایک جلد مفت بھیجی جائیگی۔ چندہ سرپرستی کم از کم پانچ روپے شروع سال کے لئے ہے۔ آئندہ تین روپے سالانہ۔ لائف ممبری (تا زیست) پچاس روپے۔

جن صاحبان کے پاس اپنا یا بزرگوں کا عمدہ اور غیر شایع شدہ کلام موجود ہو، وہ دفتر "کائستھ اُردو سبھا" دہلی سے خط و کتابت کریں۔

من موہن
سکرٹری کائستھ اُردو سبھا دہلی

نوٹ:-

یہ کتاب اور اِس سلسلہ کی دیگر کتب ذیل کے پتہ سے طلب فرمائیں۔

کورونیشن بک ڈپو (لالہ کشن لال نرائن داس) نئی سڑک دہلی
یا سکرٹری کائستھ اُردو سبھا دہلی

وہ میرے رازِ دل کو جانتے ہیں
نہیں مشتاق کچھ حاجت بیاں کی

دیباچہ

نام منشی بہاری لال اور تخلص مشتاق۔ آپ کے والد کا نام رائے سن بھاون لال تھا، اور قوم کے کایستھ ماتھر تھے۔ آپ کی ولادت دہلی میں ۱۸۳۶ء میں ہوئی۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں مولوی امین الدین صاحب سے مکتب میں پڑھیں، جو اپنے زمانہ کے فاضلِ اجلّ تھے۔ مولوی صاحب نے اُنہیں ہونہار شاگرد دیکھکر خاص توجہ دی۔ تھوڑے ہی دنوں میں مشتاق صاحب اپنے ہم جماعتوں میں ممتاز مانے گئے۔ شاعری کا ملکہ قدرت نے اُن میں ودیعت کیا تھا۔ پہلے پہل تو نظم و نثر میں جو کچھ لکھتے رہے، مولوی صاحب کو ہی دکھاتے رہے۔ پھر حکیم محمود خاں صاحب کے فیض صحبت اور حکیم غلام رضا خاں صاحب کی وساطت سے مرزا غالبؔ تک رسائی ہو گئی۔ اور نظم کی اصلاح کا سلسلہ مرزا صاحب کے ہاں شروع ہو گیا۔ جو مرزا غالب کی حیات تک رہا۔ مرزا صاحب اور مولوی امین الدین صاحب کے تعلقات آپس میں اچھے نہ تھے۔ اس لئے مولوی صاحب کو یہ بات پسند نہ آئی۔

مشتاق صاحب کو فن خوشنویسی میں خوب دستگاہ تھی۔ اور اِس فن میں اُنہوں نے مرزا عبید اللہ بیگ سے اصلاح لی تھی۔ اِسی وجہ سے وہ "اکمل الاخبار" کی کتابت اور ایڈیٹری کیا کرتے تھے۔ یہ اخبار اس زمانہ کا مشہور اخبار تھا۔ اور ہفتہ وار حکیم محمود خاں

صاحب کے دیوانہ خانہ سے شایع ہوتا تھا۔ خوشنویسی کی وجہ سے مرزا غالب اپنے احباب کو اکثر لیٹے لیٹے آپ سے خطوط لکھوایا کرتے تھے، اور "اُردوئے معلّٰی" کی تالیف اور تحریر میں بھی آپنے نمایاں کوشش کی ہے۔ جیسا کہ میر مہدی صاحب مجروح کی تقریظ سے ظاہر ہے۔

مشتاق صاحب کے تعلقات مولانا حالی سے بھی اچھے تھے۔ مرزا غالب کی وفات پر لکھتے ہیں۔ ؎

غالب کے بعد بیشک غش کھا کے گر پڑا تھا
حالی نے ہاتھ پکڑا مشتاق کا سخن میں

کلام حالی موصول ہوتے پر لکھتے ہیں :۔ ؎

حضرت حالی نے بخشا جب مجھے اپنا کلام
اُسکو لے کر میں یہ سمجھا، مجھکو گلدستہ ملا۔
شاعری میں خضر اے مشتاق حالی کو سمجھ
شرق کو جس کی بدولت غرب کا رستہ ملا

سنہ ۱۸۸۷ء میں آپ کے تعلقات اکمل اخبار کے مطبع سے منقطع ہو گئے۔ اور لالہ سری کرشن داس گڑ والہ نے اپنے ہاں بلا لیا۔ اور تا دمِ واپسیں مشتاق کو اپنے ہاں بڑی عزت و احترام سے رکھا۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں بہتّر تہتّر برس کی عمر میں دہلی میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ تمام عمر دہلی میں ہی رہے۔

آپ منشی گھنشام لال صاحب عاصی کے نواسے، اور منشی گوری شنکر صاحب قصیر کے بڑے بھائی تھے۔

اصلی قلمی دیوانِ مشتاق گم ہو گیا تھا۔ ایک روز مشتاق حکیم محمود خاں صاحب کے مکان پر اشعار سُنا رہے تھے۔ معلوم ہُوا۔

کہ آپکے بڑے بھائی منشی دُلارے لال جو شاعری سے سخت متنفر تھے، آرہے ہیں۔ اُنہوں نے فوراً دیوان اٹھا کر طاق میں رکھدیا۔ کسی مہربان نے تاک لیا، اور لے اُڑا۔ اِس کے بعد یاد سے اور کچھ مسودوں سے جو کچھ دستیاب ہو سکا، ایک جگہ فراہم کر دیا گیا۔ کچھ کاغذات جن میں مرزا غالب کی اپنے ہاتھ کی اصلاحیں موجود ہیں، تذکرہ "خمخانہ جاوید" کے قابل مؤلف لالہ سری رام صاحب مرحوم کو حسب الارشاد جناب مشتاق دے دیئے گئے۔

مشتاق صاحب کا رنگ گورا اور بدن چھریرا تھا۔ طبیعت نہایت شگفتہ پائی تھی۔ ایمانداری اور دیانت داری میں فقید المثال تھے، اور خودداری کے پابند۔ متعصب بالکل نہ تھے۔

لطیفہ:۔ ایک روز لالہ سری کرشن داس گڑ والے کے ہاں جہاں آپ منشی تھے۔ اشرفیاں گنی جا رہی تھیں۔ اور بچے کھیل رہے تھے۔ آپ کی جیب میں بھی اتفاق سے ایک اشرفی اس روز موجود تھی۔ غالباً تنخواہ میں ملی تھی۔ ایک بچے نے کھیل ہی کھیل میں ایک اشرفی اُٹھائی، اور چوڑے مُنہ کی کالی دوات میں ڈال دی۔ بعد میں جب اشرفیاں گنی گئیں، تو ایک اشرفی کم تھی۔ پوچھنے تاچھنے پر جیب پتہ نہ لگا، تو مشتاق صاحب کو خیال ہُوا، کہ کہیں اُن پر شبہ نہ ہو، اور آن میں بٹہ نہ لگ جائے۔ اُنہوں نے اپنی اشرفی جیب سے نکال کر خود ہی دے دی، کہ یہ رہی وہ اشرفی۔ گھر آن کر کہہ دیا، کہ ایک اشرفی اس طرح سے دے دی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد دُسہرہ کا تہوار آیا، اور اس موقع پر تمام دواتیں دھوئی گئیں، تو ایک دوات میں سے اشرفی نکلی۔ سب کو بہت تعجب ہُوا۔ لالہ سری کرشن داس نے مشتاق صاحب سے ذکر کیا

تب اُنہوں نے کہا، کہ جناب! وہ اشرفی میری ہے۔ اور کُل ماجرا کہہ سُنایا۔ لالہ صاحب نے آپ کے حوصلہ اور ضبط پر آفرین کی۔ اور بہت خوش ہُوئے۔

اپنے مسلک پر لکھتے ہیں۔ ؎

مسلکِ مشتاق بیشک صلح کُل ہے ہم نشیں
اس کے برتاؤ ہیں یکساں مومن و کافر کے ساتھ

مشتاق صاحب کے بڑے فرزند منشی چندو لال صاحب کے پاس ان کا کلام محفوظ ہے، اور اُنہوں نے اسکو حرزِ جان بنا رکھا ہے۔ منشی چندو لال صاحب کو شاعری ورثہ میں ملی ہے۔ اور اُنہوں نے کئی دلچسپ نظمیں بعنوان "کسان کا بیان"۔ "گیہوں کا حال"۔ "بچپن کے خیالات"۔ "بلی اور چوہیا" وغیرہ لکھی ہیں۔ اور اُنہیں "خریطۂ جواہر" کے شروع میں قلمبند کیا ہے۔ ؎

مشتاق صاحب کی وفات پر منشی چندو لال صاحب نے یہ شعر فی البدیہہ کہا۔ ؎

جینے نہ دیگا والد ماجد کا غم مجھے
گو ان سے بھی عزیز رکھیں میرے عم مجھے

(عم سے قصیر صاحب مراد ہیں)

منشی چندو لال صاحب کے دو فرزند ہیں۔ منشی بھگت بھاون لال عرف لاڈ اور منشی بھگت منموہن لال صاحب عرف پیارے۔

مشتاق صاحب کے دوسرے فرزند منشی رام رچھپال ہیں۔

نمونہ کلام :۔ دو پہیلیاں ملاحظہ ہوں :۔

روح و حور

اُلٹی رہے بہشت میں اور سیدھی تیرے پاس
سیدھی جب یہاں بگڑ گئی، تو اُلٹی کی نہیں آس

فوٹو کا کیمرہ

کانچ کا ایسا محل بنایا، اس کے آگے جسے بٹھایا
باہر تو کچھ لگا نہ جھٹکا اندر جا کر اُلٹا لٹکا
کپڑا الٹا اُتر آوے اس صورت سے باہر آوے
کھچا کھچا پھر جگ میں ڈولے سر سے کھیلے نہ منہ سے بولے

اشعار ملاحظہ ہوں

کیا خوب کہا ہے :- ؎

جس شخص کی طینت میں بُرائی نہیں ہوتی
کہنے سے کسی کے وہ بُرا ہو نہیں سکتا

تم نے اے رہروانِ مُلک عدم کچھ نہ لکھا وہاں کا حال ہمیں

مندر اور خانقاہ میں ایک ہی جلوہ ہے۔ ؎

ہیں جب تجھی پہ شیخ و برہمن مٹے ہوئے
پھر فرق کیا ہے بُتکدہ و خانقاہ میں؟

ہم ہیں ہندو تم مسلماں دونوں باہم ایک ہیں
جس طرح اعداد جمنا اور زمزم ایک ہیں

جمنا۔ ج ۳۔ م ۴۰۔ ن ۵۰۔ الف ۱ = ۹۴۔ زمزم۔ ز ۷۔ م ۴۰۔ ز ۷۔ م ۴۰ = ۹۴

شوخی اور ظرافت :- ؎

نہیں رشوت میں داخل یہ تو دل رکھنے کی باتیں ہیں
یہ ان کی مہربانی ہے، کہ رکھ لیتے ہیں ڈالی کو

نگاہوں سے ادا نکلے، اداؤں سے حیا نکلے
حیا سے ناز نکلے ناز سے طرزِ جفا نکلے

یہ کہنا اور یہ کہنا - یہ کہتے ہوئے ہم آپ
قاصد کے ساتھ ساتھ گئے تا بکوئے دوست

یکساں ہے مجھکو حاضر و غائب حضور کا
پر چاہیئے شبیہ دلِ زار کے لئے

تم نزاکت میں اپنی پورے ہو ناتوانی میں ہے کمال ہمیں

رحمت جھلک رہی ہے غضب کی نگاہ میں
دل پا رہا ہے لذّتِ طاعت گناہ میں

تم جاتے ہو تو جاؤ، خدا کے لئے - مگر
لے جاؤ اپنے ساتھ نہ صبر و قرار کو

بیٹھے ہیں ایک بھبلی کے بیداد و جور میں
وہ نوجواں ہوا، کہ یہ چرخ کہن ہوا۔

میں کیوں شبِ ہجراں میں قیامت کو بلاؤں
تم آؤ، تو کیا حشر بپا ہو نہیں سکتا

روٹھو گے بے سبب تو منایا نہ جائے گا
بے جا تمہارا ناز اُٹھایا نہ جائے گا

بوسہ لیا تو عارض گلرنگ کا لیا۔
پوچھے کوئی کہ زلف کو کیوں پیچ و تاب ہے

تم اپنی تیزیٔ رفتار دیکھو نہ پوچھو کچھ مری عمر رواں کی

وہ میرے رازِ دل کو جانتے ہیں نہیں مشتاق کچھ حاجت بیاں کی

یاں یہ منظور کہ مطلب کو زباں پر لائیں
واں ہے انگشت لبوں پر، کہ خبردار، نہیں،

ظاہر میں گو بگاڑ سہی دل سے دوست ہے
منظور ہے محبّت رنجش نما مجھے
گذرے گی کیونکہ چین سے اس عہد میں خدا
آتا نہیں ہے مکر و فریب و دغا مجھے
مشتاق دردِ قلب کا ہوتا ہے یاں علاج
[1] محمود خاں کی بزم ہے دار الشفا مجھے

مشتاق جب کسی نے نہ پوچھا مجھے وہاں
میں انجمن میں منتظم انجمن ہُوا۔

---

[1] حکیم محمود خاں کا شمار اس زمانہ کے بہترین طبیبوں میں ہوتا تھا۔ اپنے زمانہ کے عالم فاضل اور مشتاق کے بڑے دوست تھے۔

دُنیا ایک معمّہ ہے۔ ؎

دیا ہے کعبۂ و بتخانہ کا عجب دھوکا
کسی کو ٹھیک بتاتے نہیں نشاں اپنا

صحبت دوست۔ ؎

تو ساتھ ہو ہمارے تو دوزخ بہشت ہے
اگر تو نہیں، تو خُلد جہنم سے کم نہیں۔

زندگی کس طرح گذارنی چاہیئے۔ ؎

مشتاق غم کو پاس نہ آنے دے زینہار
خوش خوش گذار زندگی مستعار کو

"خریطۂ جواہر" یعنی دیوان مشتاق میں غزلیات کے علاوہ دلفریب پہیلیاں، سہرے، نظمیں اور قصائد شامل ہیں۔ اِس جگہ مرحوم کی دلچسپ پہیلیاں، منتخب اشعار، مسدس قرارداد، اور ایک منظم فتوحِ اُمید پر شامل کی گئی ہیں۔ جن کو میں مرحوم کے کلام کا بہترین نمونہ خیال کرتا ہُوں۔ مجھکو اُمید ہے، کہ یہ گلدستہ مرحوم کی یادگار رہے گا۔

بھگوت سروپ

ہندو کالج دہلی
ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۸ء

ادم

کلامِ مُشتاق

پہیلیاں

لوٹنی لے تو نر بن جائے نہیں تو وہ اک ناری ہے
نر بھی سب کو پیارا ہے ، ناری بھی سب کو پیاری ہے
ہے "انجان" تو پیارے مجھ سے سُن لے اُسکا آتا پتا
دونوں میں سے ایک نہ ہو تو مشکل زیست ہماری ہے

(جان اور ناج)

خوش ہوں اُسکو دیکھکر اہلِ کرم — سُوم کو غمگیں کریں اُسکے قدم
گرعرب کی سمت اُلٹا جائے وہ — تو سراپا فیض واں کہلائے وہ
مشرق و مغرب سے اپنے پاؤں آئے — ہند میں بے پاؤں وہ آکر کہائے
پوچھتا ہے فارسی کیا اے صنم — صاف کہ دیتے ہیں اُلٹا نام ہم

(ضیف پاؤنا - مہمان)

گھر میں بیٹھی ادھک رسیلی سو سو رنگ دکھاتی ہے
گھر سے پیا لے جاوت ہے، تو پیلی فقط کہاتی ہے

(شراب)

سوپ نکھاسی ہے اک نار — آگ کھائے اور ہگے انگار

دیس دیس کا پانی پیوے — دود کے بل پر جگ میں جیوے
سُرمہ وہ ہر آن لگا دے — بن بن سب کو آنکھ دکھاوے
پھُونک پھُونک کر رکھے پاؤں — پر نہیں دیکھے دھوپ اور چھاؤں
اس ڈائن سے پیش نہ جائے — لشکر ہو تو پکڑ بٹھائے

(ریل)

اُلٹی رہے بہشت میں — اور سیدھی تیرے پاس
سیدھی جب یاں بگڑ گئی ، تو اُلٹی کی نہیں آس

(روح اور حور)

ایک نام کے دو کہلائیں — ایک کو چھوڑیں ایک کو کھائیں
ایک تو ان میں دام سے آئے — ایک جو مانگے گالی کھائے

(چُمّی بمعنی ماہی و بوسہ)

کانچ کا ایسا محل بنایا — اس کے آگے جسے بٹھایا
باہر تو کچھ لگا نہ جھٹکا — اندر جا کر اُلٹا لٹکا
کپڑا اُلٹا اُتر آوے — اس صُورت سے باہر آوے
کھچا کھچا پھر جگ میں ڈولے — سر سے کھیلے نہ منہ سے بولے

(فوٹو کا کیمرہ)

چیز ایسی کیا ہے ، یہ ہم کو بتا دو چیستاں
چار عنصر سے وجود اس کا ہُوا ہے آشکار
ایک کم کر دیں اگر اس میں سے تو بھی اے عزیز
چار ہی باقی رہیں گے جب کریں اُن کا شمار
دو کو بھی کم کر کے دیکھو یا گھٹا دو تین کو
الغرض ہو جائیں ساقط اس سے گر بالفرض چار
پھر بھی اس کے چار عنصر کو نہ ہو ہرگز زوال

اس کمی کرنے سے بھی رہتے ہیں چاروں برقرار
اس معمہ کو نہ سمجھیں گے کبھی بھی بے حیا
ہاں بتا سکتے ہیں فوراً باحیا و پردہ دار

(چادر)

۱ؔ چ + ا + د + ر = چادر

۲ؔ د کو کم کر دو۔ تو چ + ا + ر = چار باقی۔

۳ؔ چ + ا + ر

۴ؔ دو کو نکال دو چ + ا = ۳ + ۱ = چار + چ ار ہٹا کر د باقی رہا۔ جس کے چار عدد ہوتے ہیں۔

۵ؔ چار = چ + ا + ر کم کر کے د باقی جس کے عدد چار ہوتے ہیں۔



اِنتخابِ کلام

خدا کی حمد میں دیکھے کوئی حسنِ رقم میرا
شعاعِ روشنیٔ طور ہے گویا قلم میرا
خدا کی حمد میں ہر لفظ ہے معجز رقم میرا
بدل دے گا مقدّر کاتبِ قدرت قلم میرا
لکھے حمدِ خدا اگر خامۂ جادو رقم میرا
پئے پیوند طوبےٰ پھر لیا جائے قلم میرا
مرے آئینۂ دل میں کہ ہے وہ جامِ جم میرا
خدائی سے نظر آتا ہے اولےٰ تر صنم میرا
ڈبوتا مجھکو گہرے ہیں مکرّر جوشِ غم میرا
کیا دم بھر میں بیڑا پار تو نے چشمِ نم میرا
رہِ خالق دکھائی خوبیٔ معشوق نے مجھکو
اگر ایمان کی پوچھو تو مرشد ہے صنم میرا
تقابل ہے صفاتِ یار میں تو بانٹ لے دشمن
کہ میں تو یوں بھی راضی ہوں کرم تیرا ستم میرا
مناسب سر کے بل چلنا ہے مجھکو کوئے جاناں میں۔
نشانِ سجدہ ہو اس راہ میں نقشِ قدم میرا
بتوں کی آستاں بوسی ہے بوسہ سنگِ اسود کا
طوافِ خانۂ اصنام ہے طوفِ حرم میرا
یہی معنی ہیں شاید دل کو دل سے راہ ہونے کے

کہ وہ کوٹھے پہ چڑھتے ہیں تو چڑھ جاتا ہے دم میرا

تیرے افضال بے پایاں کا میں مشتاق ہوں یارب

ولیکن ان میں آمرزش ہے مقصودِ اہم میرا

میں بے وفا، کہ غیر! یہ چُپکے سے کیا کہا؟

کھُل کر کہو، کہ تم نے کِسے بے وفا کہا

لعنت ہے اُس پہ جان جو تجھکو بُرا کہے،

اچھی کہی، کہ آپ نے مجھ کو بُرا کہا

ہے عرض دست بستہ قصور اب معاف ہو

کیا جانے، میں نے شوق کے غلبہ میں کیا کہا

سر ہوتے ہیں، بگڑتے ہیں، لڑتے ہیں، کہتے ہیں

زلفوں کو تو نے کس لئے کالی بلا کہا

آہوں کو ہم نے ضبط کیا۔ منہ سے اُف نہ کی،

اشکوں نے لیک رازِ نہاں برملا کہا

تھے اصل میں وہ آفت و قہر و غضب ندیم!

یاروں نے جن کو غمزہ و ناز و ادا کہا

ثابت ہے میرے حال سے ضدوں کا اجتماع

اچھا کہا کسی نے، کسی نے بُرا کہا

عادت بگاڑ دی کیسی مشیروں نے اُن کی خوب

بے جا بھی وہ کہیں، تو کہیں سب بجا کہا

مشتاق ایسا محو ہے اک بُت کے عشق میں

دو چار شعر لکھے ہیں، جب بارہا کہا

پہلے تو دیکھنا مجھے دھوکے ہیں غیر کے۔
ناگاہ پھر حیا سے چُرانا نگاہ کا
بیداد گر نے داورِ محشر کو روز حشر
سُننے دیا نہ حرف کوئی داد خواہ کا
مشتاق جب سے اِک بُتِ کافر کو دل دیا
مِلنا بھی ہم سے چھوڑ دیا گاہ گاہ کا

دکھائے مجھکو اثر جب مری فغاں اپنا
کہ تیرے رُخ سے عیاں ہو غمِ نہاں اپنا
دیا ہے کعبہ و بتخانہ کا عجب دھوکا
کسی کو ٹھیک بتاتے نہیں نشاں اپنا
کھلے گا غیر کا بخیہ نہ تا بکے آخر
وہ بات بات پہ لیتے ہیں امتحاں اپنا
اُٹھائی جس کے لئے آفتِ جہاں مشتاق
ستم ہے گر نہ ہو وہ آفتِ جہاں اپنا

روٹھو گے بے سبب تو منایا نہ جائے گا
بے جا تمہارا ناز اُٹھایا نہ جائے گا
وہ ساتھ لائیں غیر کو گر بزم میں تو کیا!
آنکھوں پہ منتوں سے بٹھایا نہ جائے گا
یوں میرے ساتھ بزم میں غیروں کا بیٹھنا
وہ اعتراض ہے، کہ اُٹھایا نہ جائے گا
ہوگا اثر جو دل میں تو خود جان لینگے وہ،

مشتاق ہم سے عشق جتایا نہ جائے گا

اِسی بات پر میں فدا ہو گیا، کہا اُسکے دل اسکو کیا ہو گیا
مرا کو سنا کیا مجھی پر پڑا، کہ دشمن کے حق میں دُعا ہو گیا
عبث مجھ پہ رسوائیوں کا ہے طعن، مرے ساتھ نام آپ کا ہو گیا
ترقی ہُوئی حُسن کو اس قدر کہ فتنہ سے اب وہ بلا ہو گیا
اُٹھے شوق میں یوُں قدم تیز تیز کہ رہبر کا میں رہنما ہو گیا
دکھا دیتے اُن کو حیا کا مزہ ادب پردہ دار حیا ہو گیا
شبِ ہجر میں چاندنی دیکھکر یہ سمجھا کہ روزِ جزا ہو گیا
ہُوا تو نہ مشتاق کا، اور وہ
زمانہ میں سب سے بُرا ہو گیا

کہتا ہے، میں تو رات کو دشمن کے ہاں نہ تھا
پوچھو تو کوئی اس سے کہاں تھا، جو واں نہ تھا
سب جانتے ہیں اُن کے اشاروں کو بزم میں
کہنے کی بات ہے، کہ کوئی رازداں نہ تھا

ہے انتظار نزع میں تیرے جمال کا
آنکھوں میں دم ہے عاشقِ شوریدہ حال کا
جلوہ ہے آئینہ میں تمہارے جمال کا
زیبا ہے گر کہیں اُسے عالم مثال کا
عالم ہے حیرتی ترے حُسن و جمال کا
ناحق تجھے خیال ہے افشائے حال کا

رُوئے عرق فشاں سے پسینے کو پُونچھئے
ظاہر نہ ہو کسی کو سبب انفعال کا

بزم سے کیوں نکال کر خوش ہو کیا ہیں ارماں تھا غیر کے دل کا
ہجر ہیں مرگ سہل ہے مشتاق مجھکو آساں ہے کام مشکل کا

نصف الوصال کہنا مکتوب کو غلط ہے.
کیا اُسکو لے کے چاٹے یہ ناصبور تیرا
مغرور کر دیا ہے ہمکو بھی عاشقوں ہیں
اللہ رے تیری نخوت بل بے غرور تیرا
مشتاق بوسہ لینا اور کہنے سے عدو کے
تقصیر سے ہے بدتر عذرِ قصور تیرا

آئینہ بنا لو دل اربابِ صفا کا
پھر اور ہی عالم نظر آئے گا ادا کا
مرنے سے مرے نام تو باقی ہے وفا کا
ہاں کام ہلاہل نے دیا آبِ بقا کا
اس محکمۂ ناز سے یاں کام پڑا ہے
بے جرم جہاں کرتے ہیں اقبال خطا کا
سینہ کے کھُلا رکھنے کی قابل یہ سزا ہے
باندھا گیا انصاف کے دن بندِ قبا کا
صحت ہے اسی ہیں کہ غذا جُزوِ بدن ہو
غم کھانا سبب ہے ترے عاشق کی بقا کا

دُنیا میں ہے کیا شے مئے و معشوق سے بڑھکر
بندہ کا مددگار ہو گر فضل خُدا کا
اس کوچہ میں مشتاق کی ثابت قدمی دیکھ
خود پاؤں لرزتا ہے جہاں اہل وفا کا

میں کیوں شبِ ہجراں میں قیامت کو بُلاؤں
تم آؤ تو کیا حشر بپا ہو نہیں سکتا،
کس مُنہ سے کہیں چرخ کو ہم تفرقہ انداز
جب دوست سے دشمن بھی جُدا ہو نہیں سکتا،
جس شخص کی طینت میں بُرائی نہیں ہوتی۔
کہنے سے کسی کے وہ بُرا ہو نہیں سکتا
آزاد نہ ہوگا کبھی پابندِ محبّت،
بیڑی کے بڑھانے سے رہا ہو نہیں سکتا
اِس اوپری دل کی خفگی سے نہ بُرا مان
صدقے ترے، میں تجھ سے خفا ہو نہیں سکتا
تقریر میں تزویر میں شوخی میں ادا میں،
اُس بُت سے کوئی عہدہ برآ ہو نہیں سکتا
دیرینہ وفادار ہے مشتاق تمہارا
ایسا تو کوئی دوست نیا ہو نہیں سکتا

دمِ نظّارہ پردہ رکھ لیا ہے پردہ داری کا
لیا ہے کام بیہوشی سے ہم نے ہوشیاری کا
اُدھر عاشق بگڑتا ہے، اِدھر معشوق بنتا ہے

تِرا اعزاز باعث ہو گیا ہے میری خواری کا
بٹھا کر غیر کے پہلو میں مجھکو آپ اُٹھ جاؤ
اُٹھا رکھا ہو گر تم نے دقیقہ کوئی خواری کا
مگر اب حور و غلماں سے ہے خوف رہزنی اِس میں
وگرنہ بے خطر تھا راستہ طاعت گذاری کا

ہر دم شگفتہ تر جو ہنسی میں دہن ہُوا۔
غنچہ سے پہلے گُل ہُوا، گُل سے چمن ہُوا۔
زاہد ہُوا، امام ہُوا، برہمن ہُوا۔
اِس رہ میں رہنما جو بنا راہزن ہُوا
صورت بدل گئی کوئی پہچانتا نہیں
عاشق تِرا وطن میں غریب الوطن ہُوا
قد سرو، نرگس آنکھ، دہن غنچہ، گُل عذار
جلوہ سے اس کے خانۂ ویراں چمن ہُوا۔
غیروں نے بیٹھنے نہ دیا جب کہیں مجھے
میں انجمن میں منتظمِ انجمن ہُوا
طبعِ جفا شعار کی تفریح کے لئے
نالہ مِرا ترانۂ مُرغِ چمن ہُوا
مشتاق صوفیوں میں تو تائب ہُوا تھا کل
سنتا ہُوں آج رندوں میں توبہ شکن ہُوا

اُن کے ہمسایہ میں گر مجھکو بسایا جاتا
اُن کے گھر بیٹھتے اُٹھتے مِرا سایا جاتا

قصّہ غیروں کو مگر میرا سنایا جاتا،
جتنا ہنستے تھے وہ اُتنا ہی رُلایا جاتا

طشت از بام نہ ہوتا تو نہ ہوتے بدنام
عشق کا حسن یہی تھا، کہ چھپایا جاتا

صلح میں جنگ یہ کیسی، انہیں حیرت ہوتی
وصل کے وقت گر آئینہ دکھایا جاتا

شکوۂ ضعف یہ کہتے ہیں، غلط اور غلط
ورنہ کیونکر مرے دروازے تک آیا جاتا

بے سبب قطع کیا تم نے تعلق ہم سے،
آخر الزام تو کچھ ہم پہ لگایا جاتا

غیر کو بزم سے کیوں تیری اُٹھاتا کوئی
کچھ ترا ناز نہ تھا وہ کہ اُٹھایا جاتا

ایک ہے عشق میں فریاد و خموشی مشتاق
کونسی شکل سے اُلفت کو چھپایا جاتا

اپنی گدڑی تا بنائے قیس خارِ دشت سے
جیب و دامن کی ہمارے دھجیاں لینے لگا

پڑ گئے لینے کے دینے تو مزا آجائے گا
میں یہ کہکر اُن کے مُنہ کی چھپیاں لینے لگا

کچھ مرے معشوق کی داد و ستد بھی ہے نئی
گالیاں دینے لگا اور چٹکیاں لینے لگا

ساتھ آتا ہے جوانی کے بڑھاپا آجکل،
چوبِ دستی ہاتھ میں ہر نوجواں لینے لگا

اُس کی دُنیا ہو تو تم ہو اسکا عقبیٰ ہو تو تم
آپ کا مشتاق کیوں دونوں جہاں لینے لگا

شکوہ کریں گے ہم نہ کبھی روزگار کا
گویا کہ یہ گلہ ہے، محبت میں یار کا
تھا وہ حکیم یار کسی بادہ خوار کا
درماں کیا تھا خمر سے جس نے خمار کا
اے تیغِ یار وصف ہے یہ تیری دھار کا
دُکھتا نہیں ہے وار سے دل دلفگار کا
ناز و ادا کہوں تو بجا ہے درست ہے
ابطال کفر ہے تیرے قول و قرار کا
تیغِ برہنہ دیکھ کے سب سرنگوں ہوئے
بے پردگی نے کام کیا پردہ دار کا
مشتاق زندہ باشں، ترقی نصیب ہو
رُتبہ خدا بڑھائے تِرے اِنکسار کا

تم ہو اپنی طرف لئے جاتے، ذکر کرتا ہوں میں زمانے کا
ہم گئے جس کسی کی دعوت میں خود کیا انتظام کھانے کا
وعظ کہنا خیال میں اپنے اک طریقہ ہے مانگ کھانے کا
کیوں لگائی عبث قفس کی قید میں ہوں پابندِ آب و دانے کا
چاند میں اور چاند سے رُخ میں
فرق دیکھا نئے پُرانے کا

آپس میں چھیڑ چھاڑ بھی ہونی محال ہے
میں ناتواں ہُوا، تو وہ نازک بدن ہُوا

بٹے ہیں ایک قفیلی کے بیداد و جور میں
وہ نوجواں ہُوا، کہ یہ چرخ کہن ہُوا

حضرتِ حالی نے بخشا جب مجھے اپنا کلام
اسکو ہے کو میں یہ سمجھا مجھکو گلدستہ ملا
شاعری میں حضرتِ مشتاق حالی کو سمجھ
شرق کو جس کی بدولت غرب کا رستہ ملا

بات کرنے میں پھول جھڑتے ہیں　　　قصد پھر کیوں ہے باغ جانے کا

یہ نہ سوجھی، کہ ان کے درباں کو　　　ان سے پہلے سلام کرنا تھا

مشتاق جب سے اِک بُتِ کافر کو دل دیا
ملنا بھی ہم سے چھوڑ دیا گاہ گاہ کا

دیا ہے کعبہ و بُت خانہ کا عجب دھوکا
کسی کو ٹھیک بتاتے نہیں نشاں اپنا

روٹھو گے بے سبب تو منایا نہ جائے گا
بے جا تمہارا ناز اُٹھایا نہ جائے گا

اِسی بات پر میں فدا ہو گیا   کہا لے کے دل، اِسکو کیا ہو گیا

مانندِ آفتاب درخشاں ہے روئے دوست
ممکن نہیں، کہ دیکھ سکے کوئی سوئے دوست
پروانہ میرے سامنے ہوتا ہے جل کے خاک
جلتی ہے شمع دل میں بہت روبروئے دوست
جھکنا وہ بہرِ ذبح، وہ دھونا لہو سے ہاتھ،
وہ دوست کی نماز ہے اور یہ وضوئے دوست
ہلتے ہیں لب کبھی کبھی ایما ہے چشم سے
آتی نہیں ہے فہم میں کچھ گفتگوئے دوست
یہ کہنا اور یہ کہنا، یہ کہتے ہوئے ہم آپ
قاصد کے ساتھ ساتھ گئے تا بکوئے دوست
تا حشر دل میں رہتے جو ہوتے غبارِ دل
ہم خاک بھی ہوئے تو ہوئے خاک کوئے دوست
مشتاق لاکھ ضبط کرو رازِ عشق کو
چہرے سے ہے تمہارے عیاں جستجوئے دوست

مر جائے کیوں نہ تجھ پہ دلِ جستجو پسند
مدّت کی دیکھ بھال میں آیا ہے تو پسند
غمخوار تیرے عہد میں کس کو بنائیے
عالم میں کون ہے کہ نہیں جس کو تو پسند
اظہارِ دشمنی ہے میرے حق میں دوستی
میری پسند کو نہ کرے گو عدو پسند

اچھا ہے یوں تو غیر سے مشتاق ہر طرح
اچھا مگر وہی ہے کرے جسکو تو پسند

ہوئی ہے عشق میں یہ اپنی آبرو ریزی،
ٹپک رہا ہے پسینہ بھی آبرو ہو کر
غضب ہے شوقِ شہادت کہ یاں چھٹی کا دودھ
تمام جُزوِ بدن ہو گیا لہو ہو کر
اِسی کو کہتے ہیں میٹھی چھُری کہ بے شمشیر
گلے ہزاروں کے کاٹے ہیں خوش گلو ہو کر
تمہارے سامنے اوچھا ہے گُل کہ پھول گیا
ذرا سے حسن پہ مغرور رنگ و بُو ہو کر
نگہ نے تیری کیا چاک سینۂ صد چاک
مژہ نے کام دیا سوزن رفو ہو کر
کچھ ایسی دل میں سمائی ہے مغربی تہذیب
کہ تم کہیں، تو نکلتا ہے منہ سے "یُو" ہو کر
ستم ہو یا کہ کرم سب ہمیں گوارا ہے
خدا کے واسطے جو کچھ کہ تیری خُو ہو، کر
تیری تلاش نہ جائے گی رائیگاں مشتاق
بقدرِ وسعِ جہاں تک کہ جستجو ہو، کر

رُباعی

واں تم سے اُمیدِ دل بر آنی مشکل
یاں شرطِ وفا ہمیں نبھانی مشکل
ہوتا ہے بھلا زباں ہلانے سے مگر
مشکل، کہ تمہیں زباں ہلانی مشکل

یاں ہاتھ دھوئے بیٹھے ہیں پہلے ہی جاں سے ہم
ڈرتے نہیں ہیں کشمکش امتحاں سے ہم
بھاگے ہیں دُور آپ ہی بیم خزاں سے ہم
یہ کیوں کہیں نکالے گئے گلستاں سے ہم
وہ زِشت خو سُنے ہی نہیں تو علاج کیا
اپنا بنائیں غیر کو حسن بیاں سے ہم

سیکھتے ہیں سخن سرائی ہم — ڈھونڈتے ہیں رہ رسائی ہم
باندھ کر آپ سے لڑائی ہم — دیکھ لیں تیغ آزمائی ہم
چھان ماریں اگر خدائی ہم — بختِ بد سے نہ پائیں پائی ہم
وہ تو دیتے تھے بادشاہی بھی — تھے فقط عاشق گدائی ہم
ایک بھی داؤ چل نہیں سکتا — کر چکے طاقت آزمائی ہم
ہر کسی سے ہے دل لگی اُن کی — ان سے سیکھیں گے آشنائی ہم
حیف ان سے تو ہو گئی کُٹّی — کاٹیں کیونکر شبِ جدائی ہم
اے بُتو! دیکھ دیکھ کر تم کو — سیکھ جائیں نہ بے وفائی ہم
اِس کو کہتے ہیں سب دنوں کا پھیر
بن گئے آپ کے فدائی ہم

ہم ہیں ہندو، تم مسلماں، دونوں باہم ایک ہیں
جس طرح اعداد جمنا[۹۴] اور زمزم[۹۴] ایک ہیں
فرط شادی فرط غم دونوں ہیں یکساں جانستاں
دور بینوں کی نظر میں شادی وغم ایک ہیں
ہم ہوئے قربان جس پر وہ بھی اس کا جاں نثار

ے بائی ۔ مسی ۔ کُٹّی بچوں کی اصطلاح ۔ کسی سے ناراض ہو کر ترک کلام کرنا ۔ (ب ۔ س)

دشمنی بھی بد نصیبی ، غم اور ہم ایک ہیں
وہ بھی ہوگا کوئی دن جس روز اپنے مُنہ سے آپ
بس یہی فرمائیں گے مشتاق اور ہم ایک ہیں

تم دکھا دو اگر جلال ہمیں، نہ رہے تاب قیل و قال ہمیں
مستی و بے خودی سے ہیں معذور ہم نہ سنبھلیں تو تو سنبھال ہمیں
وہ نکلنے لگے سواری پر ، جب پسند آئی اُن کی چال ہمیں
تم نے اے رہروان ملکِ عدم کچھ نہ لکھا وہاں کا حال ہمیں
تم نزاکت میں اپنی پورے ہو
ناتوانی میں ہے کمال ہمیں

فکر ہے یہ شبِ وصال ہمیں کوستے ہوں گے بدسگال ہمیں،
آگے آگے جلو میں ہوں اغیار بزم سے اس طرح نکال ہمیں،
کس نے چھوڑا ہے ایسے مہوش کو ناصحو دو کوئی مثال ہمیں،
ہم سے کہتے ہیں بعدِ دعوتِ غیر نہ رہا آپ کا خیال ہمیں،
حیف! با ایں ہمہ ہوا خواہی وہ سمجھتے ہیں بدسگال ہمیں،
جا کے مسجد میں پھر بنیں امام واں ملے گر صف نعال ہمیں،
مل گیا جب دل اپنا اور اُن کا۔
نہ رہی خواہشِ وصال ہمیں۔

حیرت ہے خواب میں بھی، کہ آیا ادھر کہاں
تیرا ہی گو خیال سہی، تو مگر کہاں!
پا در رکاب کس لئے ہے اے جمالِ یار

میری شبِ فراق کی ہوگی سحر کہاں

چمکے ہیں سب کے بخت تری جلوہ گاہ میں
واں کچھ نہیں تمیز سفید و سیاہ میں
رحمت جھلک رہی ہے غضب کی نگاہ میں
دل پا رہا ہے لذّتِ طاعت گُناہ میں
ہیں جب تجھی پہ شیخ و برہمن مٹے ہُوئے
پھر فرق کیا ہے بُتکدہ و خانقاہ میں
پہلے وہی بہشت میں جائے تو لطف ہے۔
سبقت ہُوئی ہے جس کی طرف سے گُناہ میں
بندے ہوں تاکہ خلعت رحمت کے مستحق
بھر دی ہے کُوٹ کُوٹ کے لذّت گناہ میں
تاثیرِ آہ و نالہ تو معلوم، ہاں مگر،
دل کا بخار خوب نکلتا ہے آہ میں
مشتاق آئے راہ پہ وہ شوخ یا نہ آئے
اپنی طرف سے فرق نہ آئے نباہ میں

شکوہ ہوجاتا ہے فی الفور مبدّل بہ سپاس
جبکہ ہم یار کے ظلموں کا گلہ کرتے ہیں،
لن ترانی تو بجا تھی اَرِنی بھی ہے دُرست
چھُپ کے چلمن میں مری بات رکھا کرتے ہیں
مول لیتا تمہیں گر یوسفِ مصری ہوتے،
پر تمہارے تو خریدار بکا کرتے ہیں

لوگ کہتے ہیں، کہ ٹوٹا وہ شہاب ثاقب
جبکہ ہم نالہ شبِ ہجر کیا کرتے ہیں۔
وہ حکایت مری، میں اُن کی شکایت باہم
صورتِ پیکر تصویر سنا کرتے ہیں

مدعا گریہ سے کچھ عشق کا اظہار نہیں
کیا کہوں تم سے کہ کہنے میں دلِ زار نہیں
اِس میں کیا ذلّتِ یوسف سرِ بازار نہیں،
سامنے تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
ہوگیا آج سے بس علم قیافہ باطل،
سادگی سے یہ کھُلا تھا، کہ ستمگار نہیں
سب طرح سے تو وہ اچھے ہیں، پر اچھّے کیا ہیں
اک یہی عیب ہے کیسا، کہ وفادار نہیں
طلبِ بوسۂ رُخسار کو جانے دیجے،
کونسی بات ہے جس میں تمہیں انکار نہیں
یاں یہ منظور، کہ مطلب کو زباں پر لائیں
واں ہے انگشت لبوں پر، کہ خبردار، نہیں
پوچھتے پوچھتے آجاؤ مِرے گھر کی طرف،
ہے پتہ یہ، کہ نشانِ در و دیوار نہیں
میرے رونے پہ وہ ہنس ہنس کے یہ کہنا تیرا،
کہ تنک ظرف سے چھپتے کبھی اسرار نہیں
کوئی پِس جائے، کہ کٹ جائے بلا سے اُن کی
کچھ خبر اُن کو کسی کی دمِ رفتار نہیں

تار انفاس ہیں سینے کے نمایاں ، ورنہ
دیکھنے کو بھی گریباں میں کوئی تار نہیں
سچ تو یہ ہے ، کہ ہے مشتاق عدو سے اچھا
ورنہ بندہ تو کسی کا بھی طرفدار نہیں۔

کون کہتا ہے ، کہ سر تا بقدم ناز نہیں ،
داخلِ عیب ہے وہ اس میں جو انداز نہیں
لطف گفتار سے واں ہوتے ہیں مُردے زندہ
کچھ کرامت نہیں ، جادو نہیں ، اعجاز نہیں
نہ مِرا نالہ نہ فریاد شبِ وصلِ عدو
ایک بھی اُن میں سے یارب غمال انداز نہیں
ضعف میں منظرِ عالی ہے نظر گاہِ خیال
ہمت جست نہیں طاقتِ پرواز نہیں

جو ابتدا سے خوگرِ جور و ستم نہیں
اب اس کو تیری چاہ مصیبت سے کم نہیں
جب تم نہ تھے ، تو چھوڑ دیا تھا شراب کو
توبہ نہیں ہے ، عہد نہیں کچھ قسم نہیں
خوش ہیں صفِ نعال میں پاس ادب تو ہے
گو غیر کی نگاہ میں ہم محترم نہیں
انشا و شعر کا نہیں بے وقت شوق ہے
مشتاق اب تو پرسشِ اہلِ قلم نہیں

کھویا ہے جھوٹے وعدوں سے اپنا ہی اعتبار
تیری قسم بھی تیری قسم دم سے کم نہیں۔

ہم شوق جو ہُوا، وہی ہمدرد بن گیا
اُلفت میں تیری غیر بھی ہمدم سے کم نہیں۔

غنچہ کھِلا تو گُل ہُوا اس کا چراغِ عمر
خوشدل ہو کیا کوئی، کہ خوشی غم سے کم نہیں۔

میرے تمہارے گھر سے نکلنے کی داستاں
ذکرِ بہشت و قصّۂ آدم سے کم نہیں۔

تصویر جزوِ لایتجزہ ہمیں سمجھ
ذرّہ بھی ہے حقیر مگر ہم سے کم نہیں۔

تو ساتھ ہو ہمارے تو دوزخ بہشت ہے
گر تو نہیں، تو خلد جہنم سے کم نہیں۔

آئینہ رکھ کے سامنے مُنہ ان کا دیکھنا
مشتاق ہم کو سیرِ دو عالم سے کم نہیں۔

ذکر باہم یہ مرے زخمِ جگر کرتے ہیں
کام بھالوں کا یہاں تیروں کے پر کرتے ہیں

کبھی اُونچی، کبھی نیچی، کبھی ترچھی ٹیڑھی
سو اداؤں سے وہ دزدیدہ نظر کرتے ہیں

انتظار ان کا کھڑے سامنے ہم دیکھتے ہیں،
کہ اِدھر دیکھیے، کس وقت نظر کرتے ہیں

پاسباں گویا ہمارے شوق سے آگاہ ہے۔

یہ نہیں کہتا کبھی ظالم کہ اس دم گھر میں ہیں
یہ قیامت کی ادائیں آپ کی ٹھوکر میں ہیں
رہگذر کے رہنے والے عرصۂ محشر میں ہیں

ہمیں گر باغباں روکے تو روکو ہمارا دل پڑا ہے گلستاں میں

ہم ڈھونڈتے ہیں باغ میں اس گلعذار کو
جلوہ نے جس کے رنگ دیا ہے بہار کو
تم جاتے ہو تو جاؤ، خدا کے لئے۔ مگر
لے جاؤ اپنے ساتھ نہ صبر و قرار کو
ہم حسنِ اعتقاد سے سمجھے، چڑھائے پھول
گل کر دیا جو اُس نے چراغ مزار کو
دی کس نے اُس کو جا کے نویدِ قدومِ یار
ہے ناگوار باغ سے جانا بہار کو
اُس بُت میں نورِ قدرتِ خالق ہے مستتر
پتھر نے کیا چھپایا ہے دل میں شرار کو
مشتاق غم کو پاس نہ آنے دے زینہار
خوش خوش گذار زندگیٔ مستعار کو

پہلے ثابت کر لیا ہوتا مِری تقصیر کو،
کیوں عبث تکلیف دیتے ہو ابھی شمشیر کو
جانتے ہیں ہم مقدم ہر طرح تقدیر کو،
کام میں تقدیر کے کیا دخل ہے تدبیر کو

وہ پری پیکر ہے نازک یہ تماشا دیکھنا
تیر اسکو لے اُڑے ، یا وہ اُڑا دے تیر کو

حالتِ دیوانگی میں وِردِ لب تھا ذکرِ زلف
کچھ نہ سمجھے وہ مری اُلجھی ہوئی تقریر کو

مختصر یہ ہے ، کہ تم پر آگیا ہے میرا دل
اس سے کیا حاصل کہ ناحق طول دوں تقریر کو

نیم بسمل کی تڑپ کو وہ کہیں اندازِ رقص
صوتِ زنگولہ بتائیں نالۂ زنجیر کو

پھر نہ آئے خواب میں اس عقل پر پتھر پڑیں
پوچھنے بیٹھا اُنہی سے خواب کی تعبیر کو

کیا خبر تھی سینکڑوں دشمن کھڑے ہو جائینگے
دل کے آئینے میں کیوں رکھا تِری تصویر کو

خاک کس اُمید پر مشتاق ہوتا پھر بنا !
ہاتھ سے جب وہ جھٹک دیں خاکِ دامنگیر کو

اور کیا خستگیٔ حال کی تشریح کروں
وہ سمجھتے ہیں سزاوارِ ترحم مجھکو

مجھے دوزخ بھی ہے فردوس ، اگر روزِ جزا
حُور زاہد کو ملے ، اور ملو تم مجھکو

اِک زمانہ کو ہے تقلید مری وحشت کی
ورنہ کیوں بھاگتے ہیں دیکھ کے مردم مجھکو

کونسا دن ہو ، کہ ہو جائے سلوک آپس میں
میں خوشامد سے مناؤں نہیں ، اور تم مجھکو

میں غم عشق میں ہوتا ہوں توانا مشتاق،
کیونکہ اس شوخ سے ہے چشم ترحم مجھکو

کہتے ہیں جس کو دوست وہ دشمن اگر نہ ہو
پھر اپنے نیک و بد کی کسی کو خبر نہ ہو
دشتِ بلا میں جب کوئی اٹھتا ہے گرد باد،
کہتی ہے بیکسی، کہ یہی راہبر نہ ہو

کیا تسلیم یہ ہم نے کہ تم رشکِ مسیحا ہو
مگر ایسے کا کیا چارہ جو مرتا ہو نہ جیتا ہو
ہماری داستاں ہے طول لیکن مختصر یہ ہے
نہیں دشمن کی حاجت اسکو جس کا دوست تجھسا ہو
بجز دردِ محبت کونسا وہ درد ایسا ہے۔
کہ جس میں آدمی گر جلد مرجائے تو اچھا ہو
ہمارے خواب میں آکر گر اُن کے پاؤں سوجائیں
تو اپنی خفتہ بختی رُو کشِ خوابِ زلیخا ہو
منفرد ایک کرشمہ سے اسے دو کام لینے تھے
کہ اس کے حسن کی شہرت ہو اور مشتاق رسوا ہو

گذارش یہ مری واضح رہے سرکارِ عالی کو
کہ غیرت مند بے اُلفت نہیں سنتے ہیں گالی کو
نصیحت بادہ آشامی کی اسے ناصح بجا سمجھوں
اگر پہچانتا ہے تو فقط بے اعتدالی کو

حقیقت آفرینش کی کسی میخوار سے پوچھو،
کہیگا آدم و حوّا پیالہ اور پیالی کو
ہمیں محروم رکھا علم سے فریاد وزاری نے
کہ فرض منصبی سمجھا معلم گوشمالی کو
خدا کو گو نہیں دیکھا، ولیکن عقل کہتی ہے
کہ سچّے دل سے برحق جان محبوبِ خیالی کو
محبّت ہر نفس تعلیم فرمائے ترقی ہے
تمہاری بدمزاجی اور ہماری خوش خصالی کو
اُسی کی شان کا اک مظہر کامل سمجھتے ہیں
بُتوں کے پوجنے والے بُتوں کی خوش جمالی کو
سخن سنجی میں وہ مشتاق غالب ہیں زمانے میں
خدا رکھے سلامت باکرامت زندہ حالی کو

مزے لے لے کے واعظ پی گئے ہم وعظ کو تیرے۔ بھلا کیونکر وہ تائب ہو جسے چسکی کا چسکا ہو

میری ہستی بھی ہے قائم اس طرح دلبر کے ساتھ
ہے عرض موجود جس انداز سے جوہر کے ساتھ
دیکھتا تھا آئنہ وہ، میں بھی جا بیٹھا قریب!
کھنچ گئی تصویر میری اُس پری پیکر کے ساتھ
دل ہی اس کا جانتا ہے خوب اے اہلِ وفا
جس طرح ہم نے نبھایا ہے بُتِ کافر کے ساتھ
مسلکِ مشتاق بیشک صلح کل ہے ہمنشیں
اس کے ہیں برتاؤ یکساں مومن و کافر کے ساتھ

مدّعا یہ کہ کہیں ہاتھ لگانے دے مجھے
التجا یہ کہ کہیں پاؤں دبانے دے مجھے
سنکھیا اسکو دکھاتا ہوں کہ یس کھاتا ہوں
دل میں کہتا ہوں قسم دے کے نہ کھاتے دے مجھے
تم بُلاؤ نہ بلاؤ، نہیں شکوہ اس کا
اپنے درباں سے یہ کہ دیجے کہ آنے دے مجھے
تو اِدھر شوخ اُدھر آنکھ کے آنسو غماز
سات پردوں میں تجھے کون چھپانے دے مجھے

اپنے اہل جنس کی جس نے مددگاری نہ کی
اپنے حق میں کونسی اس نے جفاکاری نہ کی
قہر ہے اندھیر ہے، قربِ قیامت آگیا،
دلربا نے اوپرے دل سے بھی دلداری نہ کی
میر مجلس جا کے بنتا شب کو بزمِ غیر میں،
آپ کی دہشت سے ڈر کر میں نے عیاری نہ کی
کیا اُٹھا سکتا ہے وہ بارِ امانت سچ بتائیے
جس کسی نے مہوشوں کی ناز برداری نہ کی
یہ تو سچ سچ حضرتِ ناصح بتا دیجے ہمیں،
آپ نے اس عمر تک بھی کچھ ریاکاری نہ کی
زادِ راہِ منزلِ مقصود اب تک کچھ نہیں،
اِس سفر کی آپ نے مشتاق تیاری نہ کی

بخشا خدا نے سر تری دیوار کے لئے۔

آنکھیں بنائیں حسرت دیدار کے لئے
ہم بے قرار رہتے ہیں جس یار کے لئے
وہ بے قرار پھرتا ہے اغیار کے لئے
کہتے ہیں میرے خون میں آغشتہ دیکھکر
درکار یہ نیام تھا تلوار کے لئے
یکساں ہے مجھکو حاضر و غائب حضور کا
پرچا ہئے شبیہ دل زار کے لئے
کہتے ہیں ایک بوسہ کا مشتاق ڈر نہیں،
انکار میں تو کرتا ہوں دو چار کے لئے

تم کو اگر ہماری محبت نہیں رہی۔
ہمکو بھی اب عدو سے عداوت نہیں رہی
ہر اک ادا پہ مرنے کی عادت نہیں رہی
وہ دل نہیں رہا وہ طبیعت نہیں رہی
مضمون مدّعا ابھی دل میں ہی تھا مرے
کہتے ہیں۔ اب تو تاب سماعت نہیں رہی
واں ہے وہی وفورِ عتاب و جفا و قہر
یاں ناز بھی اُٹھانے کی طاقت نہیں رہی
بیشک نقاب رُخ سے اُٹھایا کسی نے آج
ظلمت کدہ میں میرے جو ظلمت نہیں رہی
مشتاق تیرے عشق کی ہے دھوم آجکل
اب قیس و کوہکن کی وہ شہرت نہیں رہی

تیرے دل میں جو آئی امتحاں کی
حقیقت کھل گئی سارے جہاں کی

ترقی پر ہے مشق آہ و فغاں کی
خرابی آگئی ہے آسماں کی

تم اپنی تیزیٔ رفتار دیکھو
نہ پوچھو کچھ مری عمر رواں کی

طلاقِ دخترِ رز میں باک ہے یہ
نہ ہو بے حرمتی پیر مغاں کی

ترا پہنا ہے جامہ فصلِ گُل نے
مری پیکر میں ہے صورت خزاں کی

تنِ لاغر نے کچھ پردہ نہ رکھا
دکھا دی شکل اسرارِ نہاں کی

ہمیں مرنے کی ہر دم فکر اے خضر
پڑی ہے تم کو عمرِ جاوداں کی

وہ میرے رازِ دل کو جانتے ہیں
نہیں مشتاق کچھ حاجت بیاں کی

اُس ماہ وش کے ہاتھ میں جامِ شراب ہے
ہاں! کاسبِ ضیائے قمر آفتاب ہے

حالِ زبوں سے تم مرے بد نام ہوتے ہو،
سب کہتے ہیں، کہ یار کی عادت خراب ہے

ہم تیرہ بخت ہو کے جواں. بخت بن گئے،
اس تیرگی میں جلوۂ رنگِ خضاب. ہے

دل ٹوٹنے کی میرے کسی کو ہے کیا خبر۔
اس کی صدا صدائے شکستِ حباب ہے

بوسہ لیا تو عارضِ گلرنگ کا لیا،
پوچھے کوئی کہ زلف کو کیوں پیچ و تاب ہے

مشتاق دیکھ پائے جو شیشہ کو محتسب،
پوچھے گر اس میں کیا ہے، تو کہنا گلاب ہے

آتے پہلے سے ولیکن دم بسمل آئے۔
زیست کے لطف مگر موت کے شامل آئے

اس لئے بزم سے ہم رات کو بیدل آئے۔
غیر کے لینے کو وہ تا سرِ منزل آئے

بچ گئی جان یہی ہم نے تو لاکھوں پائے
شکرِ صد شکر جو اس کوچہ سے گھائل آئے

دم نکلتا ہے اسی غم میں نہ آجائے رقیب
گر عیادت کو مری حور شمائل آئے

ساتھ مشتاق کے چلتے ہو رفیقو لیکن۔
دشت وحشت میں نہ کہنا۔ کہیں منزل آئے

ہو کس طرح فریبِ نظر ماسوا مجھے۔
دی ہے خدا نے چشمِ حقیقت نما مجھے

ظاہر میں گو بگاڑ سہی دل سے دوست ہے
منظور ہے محبت رنجش نما مجھے

تا حشر میرا ہوش میں آنا محال ہے،
ہے بے خودی فزا تیری ہر اک ادا مجھے

گر سچ ہے یہ کہ غیر ہے تم کو بہت عزیز۔
تم غیر سے سوا ہو، وہ تم سے سوا مجھے

گذرے گی کیونکہ چین سے اس عہد میں خدا
آتا نہیں ہے مکر و فریب و ریا مجھے

مشتاق دردِ قلب کا ہوتا ہے یاں علاج
محمود خاں کی بزم ہے دار الشفا مجھے

تیرا اعزاز باعث ہوگیا ہے میری خواری کا
بٹھا کر غیر کے پہلو میں مجھکو آپ اُٹھ جاؤ
اُٹھا رکھا ہو گر تم نے دقیقہ کوئی خواری کا
مگر اب حور و غلماں سے ہے خوف رہزنی اس میں
وگرنہ بے خطر تھا راستہ طاعت گذاری کا

ہر دم شگفتہ تر جو ہنسی میں دہن ہُوا۔
غنچہ سے پہلے گُل ہُوا، گُل سے چمن ہوا۔
زاہد ہُوا، امام ہُوا، برہمن ہُوا۔
اِس رہ میں رہنما جو بنا راہزن ہُوا
صورت بدل گئی کوئی پہچانتا نہیں
عاشق تِرا وطن میں غریب الوطن ہُوا
قد سرو، نرگس آنکھ، دہن غنچہ، گُل عذار
جیلوہ سے اس کے خانۂ ویراں چمن ہُوا۔
غیروں نے بیٹھنے نہ دیا جب کہیں مجھے
میں انجمن میں منتظم انجمن ہُوا
طبع جفا شعار کی تفریح کے لئے
نالہ مِرا ترانۂ مُرغِ چمن ہُوا
مشتاق صوفیوں میں تو تائب ہُوا تھا کل
سنتا ہُوں آج رندوں میں توبہ شکن ہُوا

اُن کے ہمسایہ میں گر مجھکو بسایا جاتا
اُن کے گھر بیٹھتے اُٹھتے مرا سایا جاتا

قصّہ غیروں کو مگر میرا سُنایا جاتا،
جتنا ہنستے تھے وہ اُتنا ہی رُلایا جاتا

طشت از بام نہ ہوتا تو نہ ہوتے بدنام
عشق کا حُسن یہی تھا، کہ چھپایا جاتا

صُلح میں جنگ یہ کیسی، اُنھیں حیرت ہوتی
وصل کے وقت گر آئینہ دکھایا جاتا

شکوۂ ضعف یہ کہتے ہیں، غلط اور غلط
ورنہ کیونکر مرے دروازے تک آیا جاتا

بے سبب قطع کیا تم نے تعلق ہم سے،
آخر الزام تو کچھ ہم پہ لگایا جاتا

غیر کو بزم سے کیوں تیری اُٹھاتا کوئی
کچھ ترا ناز نہ تھا وہ کہ اُٹھایا جاتا

ایک ہے عشق میں فریاد و خموشی مشتاق
کونسی شکل سے اُلفت کو چھپایا جاتا

اپنی گدڑی تا بنائے قیس خارِ دشت سے
جیب و دامن کی ہمارے دھجیاں لینے لگا.

پڑ گئے لینے کے دینے تو مزا آجاے کا
میں یہ کہکر اُن کے مُنہ کی مچھیاں لینے لگا

کچھ مرے معشوق کی داد و ستد بھی ہے نئی
گالیاں دینے لگا اور چٹکیاں لینے لگا

ساتھ آتا ہے جوانی کے بڑھاپا آجکل،
چوب دستی ہاتھ میں ہر نوجواں لینے لگا

اُس کی دُنیا ہو تو تم ہو اسکا عقبیٰ ہو تو تم.
آپ کا مشتاق کیوں دونوں جہاں لینے لگا

شکوہ کریں گے ہم نہ کبھی روزگار کا
گویا کہ یہ گلہ ہے، محبت میں یار کا
تھا وہ حکیم یار کسی بادہ خوار کا
درماں کیا تھا خمر سے جس نے خمار کا
اے تیغِ یار وصف ہے یہ تیری دھار کا
دُکھتا نہیں ہے وار سے دل دلفگار کا
ناز و ادا کہوں تو بجا ہے درست ہے.
ابطال کفر ہے تیرے قول و قرار کا
تیغِ برہنہ دیکھ کے سب سرنگوں ہوئے
بے پردگی نے کام کیا پردہ دار کا
مشتاق زندہ باش، ترقی نصیب ہو
رُتبہ خدا بڑھائے تِرے اِنکسار کا

ذکر کرتا ہوں میں زمانے کا، تم ہو اپنی طرف لئے جاتے
خود کیا انتظام کھانے کا ہم گئے جس کسی کی دعوت میں
اک طریقہ ہے مانگ کھانے کا وعظ کہنا خیال میں اپنے
میں ہوں پابندآب و دانے کا کیوں لگائی عبث قفس کی قید
چاند میں اور چاند سے رُخ میں
فرق دیکھا نئے پُرانے کا

آپس میں چھیڑ چھاڑ بھی ہونی محال ہے
میں ناتواں ہُوا، تو وہ نازک بدن ہُوا

بٹے ہیں ایک تھیلی کے بیداد و جور میں
وہ نوجواں ہُوا، کہ یہ چرخِ کہن ہُوا

حضرتِ حالی نے بخشا جب مجھے اپنا کلام
اسکو لے کو میں یہ سمجھا مجھکو گلدستہ مِلا
شاعری میں حضرات مشتاق حالی کو سمجھ
شرق کو جس کی بدولت غریب کا رستہ ملا

بات کرنے میں پھول جھڑتے ہیں　　قصد پھر کیوں ہے باغ جانے کا

یہ نہ سوجھی، کہ ان کے درباں کو　　ان سے پہلے سلام کرنا تھا

مشتاق جب سے اِک بُتِ کافر کو دل دیا
ملنا بھی ہم سے چھوڑ دیا گاہ گاہ کا

دیا ہے کعبہ و بُت خانہ کا عجب دھوکا
کسی کو ٹھیک بتاتے نہیں نشاں اپنا

روٹھو گے بے سبب تو منایا نہ جائے گا
بے جا تمہارا ناز اُٹھایا نہ جائے گا

اِسی بات پر میں فدا ہوگیا کہاں لے کے دل، اِسکو کیا ہوگیا

مانندِ آفتاب درخشاں ہے روئے دوست
ممکن نہیں، کہ دیکھ سکے کوئی سوئے دوست
پروانہ میرے سامنے ہوتا ہے جل کے خاک
جلتی ہے شمع دل میں بہت روبروئے دوست
جھکنا وہ بہرِ ذبح، وہ دھونا لہو سے ہاتھ،
وہ دوست کی نماز ہے اور یہ وضوئے دوست
ہلتے ہیں لب کبھی کبھی ایما ہے چشم سے
آتی نہیں ہے فہم میں کچھ گفتگوئے دوست
یہ کہنا اور یہ کہنا، یہ کہتے ہوئے ہم آپ
قاصد کے ساتھ ساتھ گئے تا بکوئے دوست
تا حشر دل میں رہتے جو ہوتے غبارِ دل
ہم خاک بھی ہُوئے تو ہُوئے خاک کوئے دوست
مشتاق لاکھ ضبط کرو رازِ عشق کو
چہرے سے ہے تمہارے عیاں جستجوئے دوست

مٹ جائے کیوں نہ تجھ پہ دل جستجو پسند
مُدّت کی دیکھ بھال میں آیا ہے تو پسند
غمخوار تیرے عہد میں کس کو بنائیے
عالم میں کون ہے کہ نہیں جس کو تو پسند
اظہارِ دشمنی ہے میرے حق میں دوستی
میری پسند کو نہ کرے گو عدو پسند

اچھا ہے یوں تو غیر سے مشتاق ہر طرح
اچھا مگر وہی ہے کرے جسکو تو پسند

ہوئی ہے عشق میں یہ اپنی آبرو ریزی،
ٹپک رہا ہے پسینہ بھی آبرو ہو کر
غضب ہے شوقِ شہادت کہ یاں چھٹی کا دودھ
تمام جُزوِ بدن ہو گیا لہو ہو کر
اِسی کو کہتے ہیں میٹھی چھُری کہ بے شمشیر
گلے ہزاروں کے کاٹے ہیں خوش گلو ہو کر
تمہارے سامنے اچھا ہے گُل کہ پھول گیا
ذرا سے حسن پہ مغرور رنگ و بُو ہو کر
نگہ نے تیری کیا چاک سینۂ صد چاک
مژہ نے کام دیا سوزن رفو ہو کر
کچھ ایسی دل میں سمائی ہے مغربی تہذیب
کہ تم کہیں، تو نکلتا ہے منہ سے "یُو" ہو کر
ستم ہو یا کہ کرم سب ہمیں گوارا ہے
خدا کے واسطے جو کچھ کہ تیری خُو ہو، کر
تیری تلاش نہ جائے گی رائگاں مشتاق
بقدرِ وسعِ جہاں تک کہ جستجو ہو، کر

رُباعی

واں تم سے اُمید دل بر آنی مشکل
یاں شرط وفا ہمیں نبھانی مشکل
ہوتا ہے بھلا زباں ہلانے سے بگر
مشکل، کہ تمہیں زباں ہلانی مشکل

یاں ہاتھ دھوئے بیٹھے ہیں پہلے ہی جاں سے ہم
ڈرتے نہیں ہیں کشمکش امتحاں سے ہم

بھاگے ہیں دُور آپ ہی بیم خزاں سے ہم
یہ کیوں کہیں نکالے گئے گلستاں سے ہم

وہ زشت خو سنے ہی نہیں تو علاج کیا
اپنا بنائیں غیر کو حسن بیاں سے ہم

سیکھتے ہیں سخن سرائی ہم ڈھونڈتے ہیں رہ رسائی ہم
باندھ کر آپ سے لڑائی ہم دیکھ لیں تیغ آزمائی ہم
چھان ماریں اگر خدائی ہم بختِ بد سے نہ پائیں پائی ہم
وہ تو دیتے تھے پادشاہی بھی تھے فقط عاشق گدائی ہم
ایک بھی داؤ چل نہیں سکتا کر چکے طاقت آزمائی ہم
ہر کسی سے ہے دل لگی اُن کی ان سے سیکھیں گے آشنائی ہم
حیف ان سے تو ہو گئی گُٹّی[1] کاٹیں کیونکر شب جدائی ہم
اے بتو! دیکھ دیکھ کر تمکو سیکھ جائیں نہ بے وفائی ہم

اِس کو کہتے ہیں سب دنوں کا پھیر
بن گئے آپ کے فدائی ہم

ہم ہیں ہندو، تم مسلماں، دونوں باہم ایک ہیں
جس طرح اعداد جمنا[۹۴] اور زمزم[۹۴] ایک ہیں

فرط شادی فرط غم دونوں ہیں یکساں جانستاں
دور بینوں کی نظر میں شادی و غم ایک ہیں

ہم ہوئے قربان جس پر وہ بھی اس کا جاں نثار

[1] ... گُٹّی بچوں کی اصطلاح۔ کسی سے ناراض ہو کر ترک کلام کرنا۔ (ب۔س)

دشمنی بھی بدنصیبی، غیر اور ہم ایک ہیں
وہ بھی ہوگا کوئی دن جس روز اپنے مُنہ سے آپ
بس یہی فرمائیں گے مشتاق اور ہم ایک ہیں

تم دکھادو اگر جلال ہمیں، نہ رہے تابِ قیل و قال ہمیں
مستی و بےخودی سے ہیں معذور ہم نہ سنبھلیں تو تو سنبھال ہمیں
وہ نکلنے لگے سواری پر، جب پسند آئی اُن کی چال ہمیں
تم نے اے رہروانِ ملکِ عدم کچھ نہ لکھا وہاں کا حال ہمیں
تم نزاکت میں اپنی پورے ہو
ناتوانی میں ہے کمال ہمیں

فکر ہے یہ شبِ وصال ہمیں کوسنے ہوں گے بدسگال ہمیں،
آگئے جلو میں ہوں اغیار بزم سے اس طرح نکال ہمیں،
کس نے چھوڑا ہے ایسے مہوش کو ناصحو دو کوئی مثال ہمیں،
ہم سے کہتے ہیں بعدِ دعوتِ غیر نہ رہا آپ کا خیال ہمیں،
حیف! با ایں ہمہ ہوا خواہی وہ سمجھتے ہیں بدسگال ہمیں،
جا کے مسجد میں پھر بنیں امام واں ملے گر صفِ نعال ہمیں،
مل گیا جب دل اپنا اور اُن کا۔
نہ رہی خواہشِ وصال ہمیں۔

حیرت ہے خواب میں بھی، کہ آیا اِدھر کہاں
تیرا ہی گو خیال سہی، تو مگر کہاں!
پا در رکاب کس لئے ہے اے جمالِ یار

میری شبِ فراق کی ہوگی سحر کہاں

چمکے ہیں سب کے بخت تیری جلوہ گاہ میں
واں کچھ نہیں تمیز سفید و سیاہ میں
رحمت جھلک رہی ہے غضب کی نگاہ میں
دل پا رہا ہے لذّتِ طاعت گناہ میں
ہیں جب تجھی پہ شیخ و برہمن مٹے ہوئے
پھر فرق کیا ہے بتکدہ و خانقاہ میں
پہلے وہی بہشت میں جائے تو لطف ہے
سبقت ہوئی ہے جس کی طرف سے گناہ میں
بندے ہوں تا کہ خلعتِ رحمت کے مستحق
بھر دی ہے کوٹ کوٹ کے لذّت گناہ میں
تاثیر آہ و نالہ تو معلوم، ہاں مگر،
دل کا بخار خوب نکلتا ہے آہ میں
مشتاق آئے راہ پہ وہ شوخ یا نہ آئے
اپنی طرف سے فرق نہ آئے نباہ میں

شکوہ ہو جاتا ہے فی الفور مبدّل بہ سپاس
جبکہ ہم یار کے ظلموں کا گلہ کرتے ہیں،
لن ترانی تو بجا تھی ارِنی بھی ہے درست
چھپ کے چلمن میں مری بات رکھا کرتے ہیں
مول لیتا تمہیں گر یوسفِ مصری ہوتے،
پر تمہارے تو خریدار بکا کرتے ہیں

لوگ کہتے ہیں، کہ ٹوٹا وہ شہاب ثاقب
جبکہ ہم نالہ شبِ ہجر کیا کرتے ہیں۔
وہ حکایت مِری، ہیں اُن کی شکایت باہم
صُورتِ پیکرِ تصویر سنا کرتے ہیں

مدّعا گریہ سے کچھ عشق کا اظہار نہیں
کیا کہوں تم سے کہ کہنے میں دلِ زار نہیں
اِس میں کیا ذلّتِ یوسف سرِ بازار نہیں،
سامنے تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
ہوگیا آج سے بس علمِ قیافہ باطِل،
سادگی سے یہ کھُلا تھا، کہ ستمگار نہیں
سب طرح سے تو وہ اچھے ہیں، پر اچھے کیا ہیں
اک یہی عیب ہے کیسا، کہ وفادار نہیں
طلبِ بوسۂ رُخسار کو جانے دیجے،
کونسی بات ہے جس میں تمہیں انکار نہیں
یاں یہ منظور، کہ مطلب کو زباں پر لائیں
واں ہے انگشت لبوں پر، کہ خبردار، نہیں
پوچھتے پوچھتے آجاؤ مِرے گھر کی طرف،
ہے پتہ یہ، کہ نشانِ در و دیوار نہیں
میرے رونے پہ وہ ہنس ہنس کے یہ کہنا تیرا،
کہ تنک ظرف سے چھپتے کبھی اسرار نہیں
کوئی پِس جائے، کہ کٹ جائے بلا سے اُن کی
کچھ خبر اُن کو کسی کی دمِ رفتار نہیں

تارِ انفاس ہیں سینے کے نمایاں، ورنہ
دیکھنے کو بھی گریباں میں کوئی تار نہیں
سچ تو یہ ہے، کہ ہے مشتاق عدو سے اچھا
ورنہ بندہ تو کسی کا بھی طرفدار نہیں۔

کون کہتا ہے، کہ سر تا بقدم ناز نہیں،
داخلِ عیب ہے وہ اس میں، جو انداز نہیں
لطفِ گفتار سے واں ہوتے ہیں مُردے زندہ
کچھ کرامت نہیں، جادو نہیں، اعجاز نہیں
نہ مِرا نالہ نہ فریادِ شبِ وصلِ عدو
ایک بھی اُن میں سے یارب ہمال انداز نہیں
ضعف میں منظرِ عالی ہے نظرگاہِ خیال
ہمّت جست نہیں طاقتِ پرواز نہیں

جو ابتدا سے خوگرِ جور و ستم نہیں
اب اس کو تیری چاہ مصیبت سے کم نہیں
جب تم نہ تھے، تو چھوڑ دیا تھا شراب کو
توبہ نہیں ہے، عہد نہیں کچھ قسم نہیں
خوش ہیں صفِ نعال میں پاس ادب تو ہے
گو غیر کی نگاہ میں ہم محترم نہیں
انشا و شعر کا نہیں بے وقت شوق ہے
مشتاق اب تو پرسشِ اہلِ قلم نہیں

کھویا ہے جھُوٹے وعدوں سے اپنا ہی اعتبار
تیری قسم بھی تیری قسم دم سے کم نہیں۔
ہم شوق جو ہُوا ، وہی ہمدرد بن گیا
اُلفت میں تیری غیر بھی ہمدم سے کم نہیں۔
غنچہ کھِلا تو گُل ہُوا اس کا چراغِ عمر
خوشدل ہو کیا کوئی ، کہ خوشی غم سے کم نہیں۔
میرے تمہارے گھر سے نکلنے کی داستاں
ذکرِ بہشت و قصۂ آدم سے کم نہیں۔
تصویرِ جُزوِ لایتجزہ ہمیں سمجھ
ذرّہ بھی ہے حقیر مگر ہم سے کم نہیں۔
تو ساتھ ہو ہمارے تو دوزخ بہشت ہے
گر تو نہیں ، تو خلد جہنم سے کم نہیں۔
آئینہ رکھ کے سامنے مُنہ ان کا دیکھنا
مشتاق ہم کو سیرِ دوعالم سے کم نہیں۔

ذکر باہم یہ مرے زخمِ جگر کرتے ہیں
کام بھالوں کا یہاں تیروں کے پر کرتے ہیں
کبھی اُونچی ، کبھی نیچی ، کبھی ترچھی ٹیڑھی
سو اداؤں سے وہ دزدیدہ نظر کرتے ہیں
انتظار ان کا گھر سے سامنے ہم دیکھتے ہیں ،
کہ اِدھر دیکھئے ، کس وقت نظر کرتے ہیں

پاسباں گویا ہمارے شوق سے آگاہ ہے۔

یہ نہیں کہتا کبھی ظالم کہ اس دم گھر میں ہیں
یہ قیامت کی ادائیں آپ کی ٹھوکر میں ہیں
رہگذر کے رہنے والے عرصۂ محشر میں ہیں

ہمیں گر باغباں روکے تو روکو ہمارا دل پڑا ہے گلستاں میں

ہم ڈھونڈتے ہیں باغ میں اس گلعذار کو
جلوہ نے جس کے رنگ دیا ہے بہار کو
تم جاتے ہو تو جاؤ، خدا کے لئے۔ مگر
لے جاؤ اپنے ساتھ نہ صبر و قرار کو
ہم حسنِ اعتقاد سے سمجھے، چڑھائے پھول
گل کر دیا جو اُس نے چراغ مزار کو
دی کس نے اُس کو جا کے نویدِ قدومِ یار
ہے ناگوار باغ سے جانا بہار کو
اُس بُت میں نورِ قدرتِ خالق ہے مستتر
پتھر نے کیا چھپایا ہے دل میں شرار کو
مشتاق غم کو پاس نہ آنے دے زینہار
خوش خوش گذار زندگیٔ مستعار کو

پہلے ثابت کر لیا ہوتا مری تقصیر کو،
کیوں عبث تکلیف دیتے ہو ابھی شمشیر کو
جانتے ہیں ہم مقدم ہر طرح تقدیر کو،
کام میں تقدیر کے کیا دخل ہے تدبیر کو

وہ پری پیکر ہے نازک یہ تماشا دیکھنا
تیر اسکو لے اُڑلے، یا وہ اُڑا دے تیر کو
حالتِ دیوانگی میں وردِ لب تھا ذکرِ زلف
کچھ نہ سمجھے وہ مری اُلجھی ہوئی تقریر کو
مختصر یہ ہے، کہ تم پر آگیا ہے میرا دل
اس سے کیا حاصل کہ ناحق طول دوں تقریر کو
نیم بسمل کی تڑپ کو وہ کہیں اندازِ رقص
صوتِ زنگولہ بتائیں نالۂ زنجیر کو
پھر نہ آئے خواب میں اس عقل پر پتھر پڑیں
پوچھنے بیٹھا اُنہی سے خواب کی تعبیر کو
کیا خبر تھی سینکڑوں دشمن کھڑے ہو جائینگے
دل کے آئینے میں کیوں رکھا تری تصویر کو
خاک کس اُمید پر مشتاق ہوتا پھر بنا!
ہاتھ سے جب وہ جھٹک دیں خاک دامنگیر کو

اور کیا خستگیٔ حال کی تشریح کروں
وہ سمجھتے ہیں سزاوار ترحّم مجھکو
مجھے دوزخ بھی ہے فردوس، اگر روزِ جزا
حُور زاہد کو ملے، اور ملو تم مجھکو
اک زمانہ کو ہے تقلید مری وحشت کی
ورنہ کیوں بھاگتے ہیں دیکھ کے مردم مجھکو
کونسا دن ہو، کہ ہو جائے سلوک آپس میں
میں خوشامد سے مناؤں نہیں، اور تم مجھکو

میں غم عشق میں ہوتا ہوں توانا مشتاق،
کیونکہ اس شوخ سے ہے چشم ترحم مجھکو

کہتے ہیں جس کو دوست وہ دشمن اگر نہ ہو
پھر اپنے نیک وبد کی کسی کو خبر نہ ہو
دشتِ بلا میں جب کوئی اُٹھتا ہے گرد باد،
کہتی ہے بیکسی، کہ یہی راہبر نہ ہو

کیا تسلیم یہ ہم نے کہ تم رشکِ مسیحا ہو
مگر ایسے کا کیا چارہ جو مرتا ہو نہ جیتا ہو
ہماری داستاں ہے طول لیکن مختصر یہ ہے
نہیں دشمن کی حاجت اسکو جس کا دوست تجھسا ہو
بجز دردِ محبت کونسا وہ درد ایسا ہے۔
کہ جس میں آدمی گر جلد مرجائے تو اچھا ہو
ہمارے خواب میں آکر گر اُن کے پاؤں سوجائیں
تو اپنی خفتہ بختی رُوکشِ خوابِ زلیخا ہو
مقرر ایک کرشمہ سے اسے دو کام لینے تھے
کہ اس کے حسن کی شہرت ہو اور مشتاق رسوا ہو

گذارش یہ مری واضح رہے سرکارِ عالی کو
کہ غیرت مند بے اُلفت نہیں سنتے ہیں گالی کو
نصیحت بادہ آشامی کی اسے ناصح بجا سمجھوں
اگر پہچانتا ہے تو فقط بے اعتدالی کو

حقیقت آفرینش کی کسی میخوار سے پوچھو،
کہیگا آدم و حوّا پیالہ اور پیالی کو

ہمیں محروم رکھا علم سے فریاد وزاری نے
کہ فرض منصبی سمجھا معلم گوشمالی کو

خدا کو گو نہیں دیکھا، ولیکن عقل کہتی ہے
کہ سمجھے" دل سے برحق جانِ محبوبِ خیالی کو

محبّت ہر نفس تعلیم فرمائے ترقی ہے
تمہاری بد مزاجی اور ہماری خوش خصالی کو

اُسی کی شان کا اک مظہرِ کامل سمجھتے ہیں
بُتوں کے پوجنے والے بُتوں کی خوش جمالی کو

سخن سنجی میں وہ مشتاق غالب ہیں زمانے میں
خدا رکھے سلامت باکرامت زندہ حالی کو

مزے لے لے کے واعظ پی گئے ہم وعظ کو تیرے۔ بھلا کیونکر وہ تائب ہو جسے چُسکی کا چسکا ہو

میری ہستی بھی ہے قائم اس طرح دلبر کے ساتھ
ہے عرض موجود جس انداز سے جوہر کے ساتھ

دیکھتا تھا آئینہ وہ، میں بھی جا بیٹھا قریب!
کھنچ گئی تصویر میری اُس پری پیکر کے ساتھ

دل ہی اس کا جانتا ہے خوب اے اہلِ وفا
جس طرح ہم نے نبھایا ہے بُتِ کافر کے ساتھ

مسلکِ مشتاق بیشک صلحِ کل ہے ہمنشیں
اس کے ہیں برتاؤ یکساں مومن و کافر کے ساتھ

مدّعا یہ کہ کہیں ہاتھ لگانے دے مجھے
التجا یہ کہ کہیں پاؤں دبانے دے مجھے
سنکھیا اسکو دکھاتا ہوں کہ لیں کھاتا ہوں
دل میں کہتا ہوں قسم دے کے نہ کھانے دے مجھے
تم بُلاؤ نہ بلاؤ، نہیں شکوہ اس کا
اپنے درباں سے یہ کہ دیجے کہ آنے دے مجھے
تو اِدھر شوخ اُدھر آنکھ کے آنسو غمّاز
سات پردوں میں تجھے کون چھپانے دے مجھے

اپنے اہل جنس کی جس نے مددگاری نہ کی
اپنے حق میں کونسی اس نے جفاکاری نہ کی
قہر ہے اندھیر ہے، قربِ قیامت آگیا،
دلربا نے اوپرے دل سے بھی دلداری نہ کی
میرِ مجلس جاکے بنتا شب کو بزمِ غیر میں،
آپ کی دہشت سے ڈر کر میں نے عیاری نہ کی
کیا اُٹھا سکتا ہے وہ بارِ امانت سچ بتاؤ
جس کسی نے مہوشوں کی ناز برداری نہ کی
یہ تو سچ سچ حضرتِ ناصح بتا دیجے ہمیں،
آپ نے اس عمر تک بھی کچھ ریاکاری نہ کی
زادِ راہِ منزلِ مقصود اب تک کچھ نہیں،
اِس سفر کی آپ نے مشتاق تیاری نہ کی

بخشا خدا نے سر ترِی دیوار کے لئے۔

آنکھیں بنائیں حسرت دیدار کے لئے
ہم بے قرار رہتے ہیں جس یار کے لئے
وہ بے قرار پھرتا ہے اغیار کے لئے
کہتے ہیں میرے خون میں آغشتہ دیکھکر
درکار یہ نیام تھا تلوار کے لئے
یکساں ہے مجھکو حاضر و غائب حضور کا
پرچاہئے شبیہ دل زار کے لئے
کہتے ہیں ایک بوسہ کا مشتاق ڈر نہیں،
انکار میں تو کرتا ہوں دو چار کے لئے

تم کو اگر ہماری محبت نہیں رہی۔
ہمکو بھی اب عدو سے عداوت نہیں رہی
ہر اک ادا پہ مرنے کی عادت نہیں رہی
وہ دل نہیں رہا وہ طبیعت نہیں رہی
مضمون مدعا ابھی دل میں ہی تھا میرے
کہتے ہیں۔ اب تو تاب سماعت نہیں رہی
واں ہے وہی وفورِ عتاب و جفا و قہر
یاں ناز بھی اُٹھانے کی طاقت نہیں رہی
بیشک نقاب رُخ سے اُٹھایا کسی نے آج
ظلمت کدہ میں میرے جو ظلمت نہیں رہی
مشتاق تیرے عشق کی ہے دھوم آجکل
اب قیس و کوہکن کی وہ شہرت نہیں رہی

تیرے دل میں جو آئی امتحاں کی
حقیقت کھُل گئی سارے جہاں کی

ترقی پر ہے مشق آہ وفغاں کی
خرابی آگئی ہے آسماں کی

تم اپنی تیزیٔ رفتار دیکھو
نہ پوچھو کچھ مری عمرِ رواں کی

طلاقِ دخترِ رز ہیں پاک ہے یہ
نہ ہو بے حرمتی پیرِ مغاں کی

تیرا پہنا ہے جامہ فصلِ گُل نے
مری پیکر میں ہے صُورت خزاں کی

تنِ لاغر نے کچھ پردہ نہ رکھا
دکھادی شکل اسرارِ نہاں کی

ہمیں مرنے کی ہر دم فکر اے خضر
پڑی ہے تم کو عمرِ جاوداں کی

وہ میرے رازِ دل کو جانتے ہیں
نہیں مشتاق کچھ حاجت بیاں کی

اُس ماہ وش کے ہاتھ میں جامِ شراب ہے
ہاں! کا سبب ضیائے قمر آفتاب ہے

حالِ زبوں سے تم مرے بدنام ہوتے ہو،
سب کہتے ہیں، کہ یار کی عادت خراب ہے

ہم تیرہ بخت ہو کے جواں بخت بن گئے،
اس تیرگی میں جلوۂ رنگِ خضاب ہے

دل ٹوٹنے کی میرے کسی کو ہے کیا خبر۔
اس کی صدا صدائے شکستِ حباب ہے

بوسہ لیا تو عارضِ گلرنگ کا لیا،
پوچھے کوئی کہ زلف کو کیوں پیچ وتاب ہے

مشتاق دیکھ پائے جو شیشہ کو محتسب،
پوچھے گر اس میں کیا ہے، تو کہنا گلاب ہے

آتے پہلے سے و لیکن دم بسمل آئے
زیست کے لطف مگر موت کے شامل آئے

اس لئے بزم سے ہم رات کو بیدل آئے
غیر کے لینے کو وہ تا سرِ منزل آئے

بچ گئی جان یہی ہم نے تو لاکھوں پائے
شکر صد شکر جو اس کوچہ سے گھائل آئے

دم نکلتا ہے اسی غم میں نہ آجائے رقیب
گر عیادت کو مری حور شمائل آئے

ساتھ مشتاق کے چلتے ہو رفیقو لیکن
دشت وحشت میں نہ کہنا کہیں منزل آئے

ہو کس طرح فریبِ نظر ما سوا مجھے
دی ہے خدا نے چشم حقیقت نما مجھے

ظاہر میں گو بگاڑ سہی دل سے دوست ہے
منظور ہے محبت رنجش نما مجھے

تا حشر میرا ہوش میں آنا محال ہے
ہے بے خودی فزا تیری ہر اک ادا مجھے

گر سچ ہے یہ کہ غیر ہے تم کو بہت عزیز
تم غیر سے سوا ہو، وہ تم سے سوا مجھے

گذرے گی کیونکہ چین سے اس عہد میں خدا
آتا نہیں ہے مکر و فریب و ریا مجھے

مشتاق دردِ قلب کا ہوتا ہے یاں علاج
محمود خاں کی بزم ہے دار الشفا مجھے

نگاہوں سے ادا نکلے، اداؤں سے حیا نکلے
حیا سے ناز نکلے، ناز سے طرزِ جفا نکلے

جفاکاری اور اس پر دعوئے مہر و وفاداری
قسم لو ہم سے گر دنیا میں تم سا باوفا نکلے

خیال آتا ہے شاید اسکے کاشانے میں دیکھا ہے
جنہیں ہم غیر سمجھے تھے وہ صورت آشنا نکلے

گئے کترا کے سوئے غیر آتے تھے اِدھر سیدھے
جنہیں سیدھا سمجھتے تھے وہ کتنے کج ادا نکلے

متاع و مال لے کر کہہ دیا سیدھے چلے جاؤ
رہِ اُلفت میں رہزن بھی ہمارے رہنما نکلے

پئے عرضِ تمنا شوق لے جاتا ہے اب مجھکو
کہیں ایسا نہ ہو اس وقت وہ گھر سے خفا نکلے

پر نکالے ہیں وہ کہ اب ہمکو، چٹکیوں میں اُڑائے جاتا ہے۔
مثلِ مقراض چل رہی ہے زباں، بے نقط وہ سنائے جاتا ہے۔
خوار ہوتا ہے اس کی محفل میں، جو کوئی بے بُلائے جاتا ہے
مُنہ سے کچھ پھوٹتا نہیں مشتاق، اور ٹسوے سمجھائے جاتا ہے

فیض کا چشمہ تو ہر حالت میں جاری چاہیئے
ماحصل یہ ہے، کہ ہر دم اشکباری چاہیئے

یا تو میں حیوان ہوں یا تم فرشتہ۔ ورنہ یاں
آدمی کو آدمی کے ساتھ یاری چاہیئے

خواہشوں کے دام سے آزاد کیونکر ہو سکیں
یہ بھی اِک خواہش ہے اِس سے رستگاری چاہیئے

خاک کو بھی لے اُڑے شاید زمانہ کی ہوا۔
خاکساری کے لئے یاں اشکباری چاہیئے
کوئی جا کر یہ کہے اُن سے مریضِ عشق کی
بندہ پرور آپ کو تیمارداری چاہیئے
خرقۂ پارینہ میں ہر رنگ کے پیوند ہوں
خاکساری میں بھی کچھ وضعداری چاہیئے
اپنے سایہ کو بھی یہ سمجھے، کہ گویا غیر ہے۔
عاشقی میں اس قدر بے اعتباری چاہیئے
تاکہ اپنے پر کوئی الزام ہی عاید نہ ہو
بیقراری کے لئے بے اختیاری چاہیئے
ٹکڑے ٹکڑے کے لئے محتاج ہونگے وہ حریص
چھوڑ کر آدھی کو جو کہتے ہیں ساری چاہیئے
نِبھ سکے تو اس طرح مشتاق شاید نِبھ سکے
تند خو وہ ہے، تو تم کو بردباری چاہیئے

چھپتی نہیں حجاب میں صورت عتاب کی
چینِ جبیں کا عکس ہے سلوٹ نقاب کی
نکلی کدورت اب دلِ خانہ خراب کی
نہ توڑ دی ہے گریہ نے چشمِ پرآب کی
مُنہ سے سوالِ بوسہ نکلتے ہی لے لیا
محبت نہ دی لبوں کو تمہارے جواب کی
آئینہ دیکھتے ہیں، تو بے اختیار وہ،
دیتے ہیں داد دل سے مرے انتخاب کی

سادے دنوں میں بادہ صافی پسند ہے
پیتے ہیں فصلِ گُل میں ہمیشہ گلاب کی،
مشتاق اب ادھیڑ ہوئے، آدمی بنو،
اِس عمر میں فضول ہیں باتیں شباب کی۔

ہم ہجر میں کیوں منتِ بہزاد کریں گے
تصویر سی کھچ جائے گی، جب یاد کرینگے۔
کوڑی بھی کرایہ کی نہ دیں خانۂ دل میں
وہ آئیں تو ہم شوق سے آباد کرینگے۔
کہتی ہے اُٹھان اُس بُت کافر کی ابھی سے
دُنیا میں ہمیں دین کو برباد کرینگے۔
گھس جائے گا کیا فرش جو کہدیں گے کہ بیٹھو
اتنی بھی نہ وہ خاطر ناشاد کرینگے۔

ہمارے قافلہ میں چلتے چلتے ایک مرشد نے
گِرہ کھولی رقیبوں کی ٹٹولی جیب رہبر کی
وہ سرگشتہ مقرر مر کے پہنچے گا ٹھکانے پر
کہ ساری عمر جو دیکھا کیا ہو راہ رہبر کی
ہمارا اور تمہارا اب تو مِل جانا مناسب ہے
کہ ہے آفات سے محفوظ مِل کر نرد چوسر کی
محبت ڈال دیتی ہے کچھ ایسا عقل پر پردہ
بھلی لگتی ہے عاشق کو بُری بھی اپنے دلبر کی
غزل کو دیکھ کے اچھے بُرے کا حال کھلتا ہے

حقیقت میں غزل گوئی کسوٹی ہے سخنور کی۔
زمانہ میں الٰہی چل رہی ہے یہ ہوا کیسی
نہ پورب کی نہ پچھم کی نہ دکھن کی نہ اُتر کی۔

بزمِ عشاق میں جس وقت کہ تو آتا ہے۔
دوست کے بھیس میں گویا کہ عدو آتا ہے۔
آئینہ خانہ میں اے سرو رواں دیکھ یہ سیر،
باغ لگ جاتا ہے، جس وقت کہ تو آتا ہے۔
بسترِ خواب میں بیہوش پڑے سوتے ہیں،
یہ سُنا ہے کہ کبھی خواب میں تو آتا ہے
واجب الرحم ہے ایسا ترا بیمار کہ اب،
دن میں سو بار عیادت کو عدو آتا ہے
آ رہی ہے شبِ ہجراں کی سیاہی آگے
میں سمجھتا ہوں بُت غالیہ مُو آتا ہے

بے حقیقت کب ہوئی شکلِ مجاز
لن ترانی کی جھلک موجود ہے۔
بُتکدہ کا تو ہے دروازہ کھُلا،
حجرہ کعبہ اگر مسدود ہے۔

واہ کیا خوب عیش منزل ہے
رات دن جس میں رقصِ بسمل ہے۔
گرم پرواز رنگِ محفل ہے
یہی معراجِ نالۂ دل ہے۔
ایک پر دوسرا ابھی مائل ہے
یہی معراجِ عشق کامل ہے
مختصر یہ نشان قاتل ہے
گال پر دلفریب اک تِل ہے
قل ہو اللہ کو پڑھ کے پوچھا اے شیخ
مے میں اوّل ہی سب سے قلقل ہے

نفسِ ہمرد برف کی قفلی بہرِ تسکین گرمیٔ دل ہے۔
تم نہیں جانتے مگر مشتاق
انتخابِ صفِ اماثل ہے۔

ساری خلقت کا ایک سا دل ہے جس کو دیکھو وہ اُن پہ مائل ہے
فرق اتنا تو ہے ضرور، مگر، کوئی زخمی ہے، کوئی بسمل ہے
دوڑیو، بیجیو نہ جانے پائے جس کی چوٹی کی گانٹھ میں دل ہے
عورت مست فیل جاتا ہے، جو کہ روبر قفا وہ قاتل ہے
اُس کے درپے ہوا ہے جو رہرو
کوئی زخمی ہے، کوئی گھائل ہے

تیرا عاشق ہے تماشا بھی تماشائی بھی،
ورنہ دیکھے ہوئے ہیں سینکڑوں سودائی بھی
ناصحو حد سے گذر جاتی ہے جب بدنامی
مرجعِ خلق بنا دیتی ہے رُسوائی بھی
نیک بختی میں حماقت بھی خردمندی ہے
داخلِ حمق ہے بدبخت کی دانائی بھی
دوستی ہو تو حیاتِ ابدی حاصل ہے۔
باعثِ ذلیت ہے اُس بُت کی شناسائی بھی
یہ بتا دو شبِ ہجراں میں اجل کو مشتاق
بارہا آپ بُلاتے تھے۔ کبھی آئی بھی؟

مثنوی

فتوحِ اُمید

تو ہے وہ تیز جوٹ لے اُمید
ماند ہے تیرے سامنے خورشید

شب کو نیّر میں آب و تاب کہاں
ہے چمک تیری رات دن یکساں

تو نے سارے جہاں کو گھیرا ہے
آسرا ہر بشر کو تیرا ہے

تیرے آگے ہیں مشکلیں سب ہیچ
خود بخود کھل گئے ہیں مشکل پیچ

یہ بھی عقدہ کھلا، کہ کوہِ غم
تیرے پرتو میں قطرۂ شبنم

زندگانی کی تو ہے باغ و بہار
ہیں دل آویز تیرے برگ و بار

جس کے دل میں جما ترا پَودا
اُس نے حسب المراد پھل پایا

تیرے سائے کو دیکھکر اے آس
یاس کی دھوپ تک نہ آئے پاس

اخترِ بخت کی چمک ہے تو
تاج اور تخت کی جھلک ہے تو

تھے زمانے میں جو بڑے فتّاح
تھے وہ تیرے ہی بس فقط مدّاح

نزدِ اربابِ عقل و فہم و تمیز
تیرے ہوتے ہے مال و زر ناچیز

آگئی ہے قریب شکلِ بعید
قدرتی دُور بیں ہے تو اُمید

کامیابی کی تو ہے جڑ بیشک
جسکو شک ہو وہ کرلے رفعِ شک

عرض کرتے ہیں یاں مثالاً ہم
داستانِ سکندرِ اعظم

کی چڑھائی جب اُس نے ایران پر
تاکہ دارا سے چھین لے کشور

ہوگیا جمع لشکرِ جرّار
کوچ کرنے کو جبکہ تھا تیّار

اِس خوشی میں بکھیر دی اُس نے
یہ سخاوت کی داد دی اُس نے

ایک سردارِ نکتہ چیں نے کہا،
اے جہاں بخش خسروِ دانا

یُوں لُٹا دی دھڑی دھڑی دولت
جیسے پائی گری پڑی دولت

یہ بھی تو سوچ اے شہِ والا — اس مہم کے لئے بھی کچھ رکھا
اس نے فرمایا۔ ہاں میری اُمید — حق میں میرے ہے ایزدی تائید
پھر مجھے کیا کمی ہے اے سردار — میں ہوں زر پاش و زرفشاں زردار،
سُن کے دنداں شکن جوابِ سوال — دیا پھر اس نے جو لیا تھا مال،
اور کہا یہ، کہ اے ولی نعمت — میرے کس کام کی ہے یہ دولت
لاد کر کون لے چلے توڑے — جس سے تھک جائیں اونٹ اور گھوڑے
قول ہے آپ کا نہایت ٹھیک — ساری دُنیا جہان کے نزدیک
ہے یہ اُمید ہی بڑی دولت — چاہتا ہوں اسی میں میں شرکت
کیجے منظور میری شرکت کو — دیجے اس لازوال دولت کو
ہمسخن اس کے سب امیر ہُوئے — سب اسی لیک پر فقیر ہُوئے
جو ہے تجھ پر میٹھا ہُوا اے اُس — کہہ دو سب کچھ ہے اس فقیر کے پاس
مختصر بات یہ ہے اے اُمید — تو ہے جاہ و جلال کی تمہید
بہرِ اُمیدوار اسکندر — تھی یہ تمہید ہی نشانِ ظفر
ملکِ یوناں سے تا بہ ہندوستاں — کل ممالک تھے تابع فرماں
اُس کی تلوار سے گئے سب کانپ — آگ سے جیسے خوف کھائے سانپ
جو مقابل ہُوئے۔ ہُوئے نابود — مر گئے جن کی فاتحہ نہ درود
اپنا سکہ بٹھایا دُنیا پر — آفریں بر فتوحِ اسکندر
فتحِ سمندری کی جتنی شہرت ہے — سب یہ اُمید کی بدولت ہے

کامیابی میں شہرۂ آفاق
ہوگا بیشک اُمید کا مشتاق

مسدس قرارداد

قرارداد یعنی وہ رقم جو کوئی لڑکا اور اس کے والدین شادی کے وقت لڑکی کے والدین سے طلب کریں۔ یہ رسم دہلی اور پنجاب کے کائستھوں میں تو موجود نہیں۔ لیکن راجپوتانہ یوپی اور بنگال کے کائستھ صاحبان کے دامن پر ایک شرمناک داغ ہے۔

مشتاق مرحوم نے یہ نظم مسدس بریلی کائستھ سبھا کے ایک جلسہ میں پڑھی تھی اور سامعین کو بہت پسند آئی تھی۔ ب، س

تصویر کھینچتا ہوں میں بیمارِ قوم کی ۔۔۔ صورت دکھاؤں گا تمہیں آزارِ قوم کی
دیکھو گے بیکسی دلِ غمخوارِ قوم کی ۔۔۔ کہدو گے، یہ تو شکل ہے ادبارِ قوم کی
لیکن سبھا سے میری گذارش ہے یہ ضرور
بھونڈی ہو جیسٹا، تو مصور ہے بے قصور

ہاں جی نہیں ہوں قوم کا میں دردمند ہوں ۔۔۔ کیونکر کہوں، کہ واقفِ پست و بلند ہوں
ہرچند رنج و غم سے اُٹھاتا گزند ہوں ۔۔۔ مشکل یہ آپڑی ہے کہ مشکل پسند ہوں
مجھکو کشودِ عقدۂ دشوار سہل ہے
پر کھولتا نہیں ہوں کہ یہ کار سہل ہے

مشکل پسندیوں نے پھنسایا ہے جال میں ۔۔۔ جیتا ہوں آب اشک سے قحط الرجال میں
ہے حال اضطراب سے ہر دم زوال میں ۔۔۔ ناحق پڑا ہُوا ہوں حضیضِ وبال میں
ہاتھوں سے توڑتا نہیں پھندوں کو جال کے
اُلجھا ہُوا ہوں حال میں اِس احتمال کے

باقی جہان میں اگر اپنی حیات ہے — اور اس بلائے جال سے مقدر نجات ہے
تو اس مہین جال کی کیا کائنات ہے — زنجیر آہنی ہو تو وہ بے ثبات ہے
تاگے تمام جال کے خود ٹوٹ جائیں گے
تقدیر چھوڑ دے گی تو ہم چھوٹ جائیں گے

میں کیا تمام قوم کا ایسا ہی حال ہے — چہرے پہ جس کے دیکھئے گردِ ملال ہے
مُنہ دھونا کاہلی کے سبب سے محال ہے — کچھ یہ وجہ نہیں ہے کہ پانی کا کال ہے
شیروں کے مُنہ کو دھویا ہے کس نے، درست ہے
گو خاک میں اٹا ہو، مگر شیر چُست ہے

ہمت میں چاہیے تمہیں تقلید شیر کی — اُس وقت ہو مثال دوست اس دلیر کی
غفلت میں شیر نے بھی اگر عمر ڈھیر کی — نکلا شکار ہاتھ سے اُٹھنے میں دیر کی
تو وہ ہزبر ہیچ ہے بکرے سے کم نہیں
ہم تو یہی کہیں گے کہ مُردے میں دم نہیں

افسوس اس زمانے میں کاہلِ پست ہیں — روٹی تو پیٹ کو نہیں اور فاقہ مست ہیں
گو تنگدل نہیں ہیں، مگر تنگدست ہیں — کیونکر نہ تنگدست ہوں قسمت پرست ہیں
کاہل ہے اور قائلِ تقدیر ہے یہ قوم
غافل ہے اور قائل تدبیر ہے یہ قوم

باآنکہ مقدرت نہیں مٹھی اناج کی، — جاتی نہیں ہے دل سے امیری مزاج کی
کل کی نہ ان کو فکر نہ تشویش آج کی، — اس میں خطا نہیں ہے فرنگی کے راج کی
اس عہد میں بھی عقل نہ آئی تو اُوف ہے
یعنی یہ عہد، عہدِ تمیز و وقوف ہے

سب پڑھ گئے پر اپنے برادر نہیں پڑھے — دارالعلوم میں کہیں جا کر نہیں پڑھے
رائج ہیں جو علوم وہ اکثر نہیں پڑھے — ہنڈیا ہو جس سے سیدھی وہ اکثر نہیں پڑھے
سیکھا نہیں علوم و فنون معاش کو
بستہ بغل میں مار کے نکلے تلاش کو

کہنے میں نوکری تو اب اوروں کے ہات ہے — تخصیص مٹ گئی یہ عجب واردات ہے
محتاج اس زمانہ میں کائت کی ذات ہے — ٹوٹی قلم ہے ہاتھ میں پھوٹی دوات ہے
بیٹھے سڑک پہ کہتے ہیں پیسے کے چار خط
دیوان جی کو آتا ہے یہ کام اب فقط

نوبت تو یہ ہے اس پہ یہ نقشہ ہے آپکا — کر دیں ہزار خرچ گرہ میں نہیں ٹکا
حاتم ہیں اپنے وقت کے گر قرض مل گیا — پھر دیکھئے سخاوت و فیاضی و عطا
مرتے ہیں باپ دادا کے اعزاز و جاہ پر
آتے نہیں ہیں ٹھوکریں کھا کر بھی راہ پر

تھوڑی سی تھی زمین اسے بیچ کر جناب — پیتے تھے صبح و شام مقرر شراب ناب
بیباق جب سے ہو گیا کمبخت یہ حساب — کھاتے ہیں انقلاب زمانہ سے پیچ و تاب
ہر چند ہاتھ خرچ سے اس وقت تنگ ہے
پر چھوڑنا مصارفِ بیجا کا ننگ ہے

افسانہ گذشتہ کا ہر لحظہ دھیان ہے — جاگے گا بخت خفتہ کبھی یہ گمان ہے
بڈھے ہوئے پہ طبع مبارک جوان ہے — دل عیش دوست ہے تو چٹوری زبان ہے
اولاد کے بھروسہ پہ پھرتے ہیں شاد شاد
یعنی ہم ان کے بیاہ میں لیں گے قرار داد

بن جائیں گے امیر دوبارہ ضرور ہم — لے لیں گے پہلے نذر اٹھائینگے جب قدم
سمدھی کریگا بنتی بھی گر علم کی قسم — تو بھی قرار داد کی کوڑی نہ ہوگی کم
دل میں پکار ہے یہ خیالی پلاؤ ہیں
دیتے اسی امید پہ مونچھوں کو تاؤ ہیں

مطلق نہیں ہے بچوں کی تعلیم کا خیال — آ جائے نہ ایک حرف تو ہرگز نہیں ملال
ذیل قرار داد میں گویا ہے سب کمال — افسانہ شیخ چلی کا ہے انکے حسب حال
اندیشۂ درستی تقدیر ہے یہی
گر کر مگر سنبھلنے کی تدبیر ہے یہی

قومی سبھا میں بھول کے بھی آپ اگر گئے — تو نام کو ریفورم کے سُن کر بکھر گئے
بی بی سے مشورہ کیا جس وقت گھر گئے — اُس نے ریفارمر کو سُنائی کہ مر گئے
چولھے میں جائے، آگ لگے اس سماج کو
کھو دے گی یہ سماج تو رسم و رواج کو

آئندہ اس سماج میں جانا نہ تم کبھی — میری تو یہ صلاح ہے اصلاح ہے یہی
کیسی گھڑی ہیں لوگوں نے باتیں نئی نئی — آگے نگوڑی ایسی نئی روشنی نہ تھی
اس روشنی کی آگ کو وہ اپنے گھر لگائیں
اوروں کے گھر کا کھوج مٹانے سے باز آئیں

بچوں کو میں نو لاکھوں میں زیور پہناؤنگی — اور گورے گورے ہاتھوں میں مہندی لگاؤنگی
پٹّی جما کے مکھڑے پہ قربان جاؤنگی — القصّہ ان ریفورمروں کو جلاؤنگی
کمبخت بس یہی چوس لیتے ہیں ریفورمر
خسّت کا نام رکھا ہے جھُلسوں نے قدرِ زر

دیکھا نہیں جنہوں نے کبھی کچھ بھی خاک دھول — رسم و رواج ان کی نظر میں ہوئے فضول
جاری ہوئے ہیں اپنے گھروں میں بھی سکول — ہمکو تو ناپنا نہیں دنیا کا عرض و طول
کرتے ہیں عورتوں کی بُرائی وہ بن کے بھاٹ
دیکھا جنم نہ بوریا، سپنے میں آئی کھاٹ

شرب شراب بیاہ میں اگلوں کی ٹیک تھی — اور دُختِ رز قدیم سے اپنی شریک تھی
میں تو یہی کہوں گی، کہ موزوں نہی ٹھیک تھی — مانگی برادری نے کب ایسوں سے بھیک تھی
کہتے ہیں وہ، کہ رسم و رواج خوشبو کو چھوڑ دیں۔
اُن سے عجب نہیں ہے، کہ جورو کو چھوڑ دیں

بی بی کی باتیں سُن کے میاں نے بجا کہا۔ — تجویز کو سبھا کی مکرّر بُرا کہا
کہنے لگے قبول ہیں آپ کا کہا — آخر یہ مدّعا بہزار التجا کہا
تنسیخ قرار داد پہ ہم نے بصد نمط
پچھلی بکھیر تھی نہ کئے اپنے دستخط

سچ ہے فقیر ہیں یہ پرانی لکیر کے — اچھے مرید کہتے ہیں ہوتے ہیں پیر کے

لچھن یہی بتائے ہیں کامل فقیر کے — فاقہ ہیں ہوں زباں پہ مزے ٹیڑھی کھیر کے

ایسے بزرگ کو تو کہو، زن مرید ہے

جس کے سبب سے قوم کی مٹی پلید ہے

جسکو نہیں خیال، کہ رسم قرارداد — افتادہ ہے مصارف شادی پہ مستزاد

اسکے طفیل والد دختر ہے نامراد — جاتا رہا ہے اسکا زمانہ سے اعتماد

فی الفور ایک دم سے سزاوار ترک ہے

بہشٹا ہے پاخانہ ہے پچھٹی[1] ہے نرک ہے

اِس گندگی میں اپنا نہ دامن لتھیڑیے — راج کے پاؤں پھیلیں تو جھٹ پٹ سکیڑیے

دروازہ بم پولس کا شتابی سے بھیڑیے — اس کی کمائی کھائیں انہیں خوب چھیڑیے

ہمنہ کہو۔ بزرگ نہیں ہے وہ ڈوکرا[2]

سر پہ ہے جس کے ایسی نجاست کا ٹوکرا

تہذیب کے خلاف تو گندی زبان کی، — ہیں نے والے حقیقت اصلی بیان کی

یہ لعن طعن اس لئے اے مہربان کی، — کائیت گرے ہوئے ہیں نظر سے جہان کی

عیبِ زوال ان کو جتانا ضرور تھا

آئینہ میں جمال دکھانا ضرور تھا

داغ قرارداد سے چہرہ سیاہ ہے — ٹیگا کلنک کا یہ بلا اشتباہ ہے

ٹھہرا قرارداد پہ جس کا بیاہ ہے — تولی پہ اسکی پاؤں بھی رکھنا گناہ ہے

کاجل کی کوٹھڑی سے وہ اپنی نگاہ میں

انجن ڈرائیور نہیں بنّا[3] ہے بیاہ میں

میٹھی چھری ہے ایسی یہ رسم قرارداد — سیرت میں اختلاف ہے صورت میں اتحاد

شادی سے ہوگی والد دختر کی یہ مراد — اقربا ہے ہمارے لئے عقرب العباد

مجروح نیش والد داماد ہوگیا

ہے ہے سگوں[4] کے ہاتھوں سے برباد ہوگیا

ل بچوں کا پاخانہ ٢ بڈھا ٣ نوشہ۔ دولہا ٤ اپنے بیگانے

سمدھی سے ڈنڈ لیتے ہو کیسے ذلیل ہو کیا ارتکابِ جرم کی رکھتے دلیل ہو
قزاق ہو، لٹیرے ہو دزدِ سبیل ہو کا ئیتھ نہیں، کمینے ہو، بہنے ہو، بھیل ہو

بیٹی بھی لی، جہیز لیا، اس پہ مستزاد
لیتے ہو اسکی جان بھی لے کر قرار داد

بی بی کے ٹوم چھلے کو بیچیگا وہ غریب بھرنا بھریگا آپ کا کمبخت بدنصیب
بیٹی کا ہے زمانِ بلوغ آگیا قریب بر کی تلاش میں دل غمگین ہے ناشکیب

پیتل کی نتھ جو پڑ گئی سمدھن کی ناک میں
بیٹھے تھے آپ گویا اسی دن کی تاک میں

گو آپ کی رقم تو تشدد سے پٹ گئی لیکن تُف ایسے پٹنے پہ ہے ناک کٹ گئی
اب کونسی بنائیے کایا پلٹ گئی ہم تو یہی کہیں گے کہ توقیر گھٹ گئی

جاوگے جس طرف تمہیں نکو بنائیں گے
نکٹا کہیں گے ظالم و جابر بتائیں گے

لی تھی قرار داد تو اے سست اعتقاد بیٹے بہو کے نام سے لینی تھی جائداد
یا اور کچھ نکالنی تھی صورتِ مفاد اے کاش اسکے لینے سے ہوتی یہی مراد

پر اسکو صرف کر دیا بھاڑے میں بھنگ کے
قائل ہیں ہم تو ایسی خوشی کی اُمنگ کے

پیسہ قرار داد کا ایسا ہے بے وفا آیا تو آکے پاس کسی کے نہیں ٹکا
پیسہ کی جائیے بلکہ گرہ کا اُٹھا ٹکا پانی ہے دام کا اِدھر آیا اُدھر گیا

سودِ حرام خوار بشربِ مدام رفت
مالِ حرام بود بجائے حرام رفت

کنیا کا دان پُن ہے سنا ہو گا آپ نے زائل کیا ہے دلہن کی خوبی کو پاپ نے
لی ہے قرار داد جو بیٹے کے باپ نے اسکو سنائے بول یہ طبلے کی تھاپ نے

ڈنکے کی چوٹ بزم میں میرا یہ قول ہے
تیری صدا یہ پیر سے طبلچی کی دھول ہے

لے کر قرار داد نہ شادی مناؤ تم — ڈوموں کی ڈھولیں پیار ہیں ہرگز نہ کھاؤ تم
سمدھی سے لے کے مجرانہ رنڈی نچاؤ تم — نام ایسی فاحشہ کا زباں پر نہ لاؤ تم
سچ ہے قرار داد کا لینا حرام ہے۔
بچنا حرام چیزوں سے مردوں کا کام ہے۔

مالِ قرار داد کو لے کال کھاؤ گے — بد نام ہو کے مفت میں کیا نام پاؤ گے
شادی میں مالِ مفت سمجھ کر لٹاؤ گے — نام آوری کے واسطے دونا اٹھاؤ گے
خسّت جو کی تو لوگ سُنائیں گے تمکو بھوگ[۱]
ہوتے ہیں بد لگام نہائت کمین لوگ

دینے کے نام آپنے دوّا نہیں پڑھا۔ — لینے کے واسطے تو ہنے خلجے منگتا
کہتے ہیں اِن کا باپ بھی ایسا ہی شوم تھا — آخر اسی کے بیٹے ہیں، بیٹے نہیں چچا
لیکر قرار داد کو بھی ہضم کر گئے۔
دادا کی ایک بات نہ کی باپ پر گئے۔

دختر کے والدین قدیمی امیر ہیں — جود و سخا میں فرد و عدیم النظیر ہیں
منگلا مکھی غریبوں کے وہ دستگیر ہیں — اُن کے مقابلے میں یہ لالہ فقیر ہیں
مُنہ مانگی اِن کو بخشی ہے کیسی قرار داد
دینگے ہم ان کے دینے کی بے اختیار داد

یہ سُن کے ہوگا ہمتِ عالی کا اقتضا — گڈّا بنائیں گے جو نہیں کچھ نہیں ملا،
آؤ لگاؤ مال ملا ہے جو مفت کا — جب اوکھلی میں سر دیا موسل کا خوف کیا
انعام دو گے نیگ[۲] چکاؤ گے بالضرور
بانٹو گے اپنے نام کی خاطر ضرور بھوڑ[۳]

اِس واسطے کہ بخل تو آتا نہیں ہمیں، — مالِ قرار داد کی پروا نہیں ہمیں
دولت کے جمع کرنے کا سودا نہیں ہمیں، — دل سے عزیز دنیا ہے پیسا نہیں ہمیں
جو آج کے رئیس ہیں وہ تو خسیس ہیں
اور ہم ہزار پشت کے نامی رئیس ہیں

[۱] گالی [۲] ہندی کا ایک حرف حق [۳] برہمنوں اور نائیوں کی خدمت کا صلہ [۴] خیرات - پیسے

یا تو کڑے تحفے اور ملائم جواب ہوئے
خلعت کے ساتھ نائیوں کو دیدیئے کڑے
شال اور دوشالہ بیجڑے بھانڈوں کو مل گئے
گن گا رہے ہیں آپکا وہ سب بنے ٹھنے

رنڈی تنرکھ تنرکھ کے دوپٹے کو رُخ پہ ڈال
سہرے کا بھاو خوب بتاتی ہے حسبِ حال

دستار کو اُتار کے نقّال نے کہا،
عزّت بنی رہے مرے دولہا کی یا خدا
پیدا ہو بعد شادی کے فرزند چاند سا،
دولہا دولہن کے حق میں ہماری ہے یہ دُعا

عمرت دراز باد، کہ تا دورِ مشتری
ما از تو برخوریم تو از عمر برخوری

چادر میں پھر خوشی سے نہ پھولے سماؤ گے
تھیلی کے منہ کو کھول کے بالکل لُٹاؤ گے
توڑا ہُوا تو نیک سی سودی منگاؤ گے
اور دل میں یہ خیال دمِ جو دلاؤ گے

دام و درم کریم کے ہاتھوں کا میل ہے
جو اسکو جوڑ جوڑ کے رکھے وہ بیل ہے

شادی کے بعد بیکہ ستائینگے قرضخواہ
اور اصل و سود مانگنے آئینگے قرضخواہ
آنکھیں دکھا دکھا کے ڈرائینگے قرضخواہ
آخر کو دادگاہ دکھائینگے قرضخواہ

نیلام ہوگا ڈگری میں مال و منال جب
اس وقت سر کو پیٹو گے افسوس بے سبب

پہلے سے سوچتے اگر انجامِ کار تم
ہوتے جو دُور بین و کفایت شعار تم
شادی میں زینہار نہ لیتے اودھار تم
ہرگز نہ ہوتے سب کی نگاہوں میں خوار تم

رہتی ہمیشہ خیر و خوشی جانبین میں
کٹتی تمام عمر تعیش میں چین میں

برباد کر دیا تمہیں بے جا رسوم نے
جھوٹی نمائشوں نے نمودوں نے دھوم نے
اقبال کی گریزنے اعمالِ شوم نے
ادبار کے شمول نے غم کے ہجوم نے

دیکھا قرار داد نے کیا حال کر دیا
دو دن میں دو گھرانوں کو پامال کر دیا

اِسکی طمع نے نسل بگاڑی ہے بعض جائے ۔ غیرت کی بات ہے بجّبا[۱] کو خدا اچائے
بیٹے کے ہاتھ بیچا ہے بیٹے کو ہائے ہائے ۔ یعنی قرار داد کے مُنہ مانگے دام پائے
یاں روٹیوں کے لالے ہیں سمدھی امیر تھا
زربفت میں لگایا ہے پیوند ٹاٹ کا

مشتاق کی سُنو، تمہیں یہ بات چاہیئے ۔ اب تو یہ بات قبلہ حاجات چاہیئے
اطوار سے درستیٔ حالات چاہیئے ۔ ترکِ فضول و ترکِ خرافات چاہیئے
یعنی رواج و رسمِ قبیحہ کو چھوڑ دو
کشکولِ مفلسی میرے ماتھے پہ پھوڑ دو

سہرا

سر پہ نوشاہ کے بندھا سہرا
کیا مُبارک ہے واہ وا سہرا
سر پہ باندھا گیا، کھُلا رُخ پر
واں بندھا اور یاں کھُلا سہرا
عید کا چاند دیکھنا ہو جسے
دیکھے پرتاب چند کا سہرا
لائی مالن تو کہتی تھی خلقت،
تیرے صدقے ہمیں دکھا سہرا
کیا بڑائی کرے کوئی اِس کی
پیارا دولہا ہے لاڈلا سہرا

نوٹ :۔ یہ ایک طویل سہرے کے چند اشعار بطور نمونہ تحریر ہیں۔ ب۔س

[۱] بجّبا جمع بجیب۔ شریف

غزلیاتِ فارسی

زحیرت حسنِ یکتا را نمیدانم نمیدانم
بمحفل محفل آرا را نمیدانم نمیدانم

ہمیشہ بر کنار از رسم و راہ خلق بودستم
طریقِ اہلِ دنیا را نمیدانم نمیدانم

رموزِ عشق و اسرارِ مئے و معشوق پرس از من
حدیثِ زہد و تقویٰ را نمیدانم نمیدانم

مرا در میکشی حدّے معیّن نیست اے ساقی
قیودِ جام و مینا را نمیدانم نمیدانم

بود ایمائے تو غارت گرِ جان و دل و دینم
ز ایمائے تو یغما را نمیدانم نمیدانم

بگفتا دل بدہ امروز، فردا گفتمش، آنگہ
بحجّت گفت فردا را نمیدانم نمیدانم

مرا ہر دم پیامِ جانفزا از دوست می آید
نویدِ روح افزا را نمیدانم نمیدانم

تمنایش نمود اوّل مرا انجامِ نومیدی
مآلِ ایں تمنا را نمیدانم نمیدانم

بود وارستن از قیدِ علائق حاصلِ رندی
ولے انجامِ تقویٰ را نمیدانم نمیدانم

مکرّر نفیٔ تو اثبات پیدا کرد خوش گفتی
کہ من مشتاق شیدا را نمی دانم نمی دانم

از قیودِ این و آں آزاد باید زیستن۔
فارغ از اجناس و از اضداد باید زیستن
گاہ شادان و گہے ناشاد باید زیستن۔
بر مرادِ آں ستم ایجاد باید زیستن
غم مخور از حشر، پیش از مرگ واویلا چرا،
بر اُمید بخشش حق شاد باید زیستن
بے اجل مشتاق نتواں مُرد از دردِ فراق
چند روزے ہرچہ بادا باد باید زیستن

قضا انگارۂ رائے تو باشد
قدر تصویرِ ایمائے تو باشد
مُرادم کاشش یارب برنیاید
کہ تا ہردم تمنائے تو باشد
نصیب من بعشقت خوشدلی ہاست
ازاں کاندر دلم جائے تو باشد
شنیدم کشتِ خود را عاشق تو
مگر مرگم تمنائے تو باشد
نخواہم شادیٔ در دل بگنجد
درو تا جائے غمہائے تو باشد
بدیں اُمید خود را خاک کردم

کہ خاکم گردِ صحرائے تو باشد
نباشد قدرتِ صانع مجسّم
وگر باشد سراپائے تو باشد
بجز تمثالِ رُوئے مہ جمالت
کرا یارا کہ ہمتائے تو باشد
نہیبِ صُورِ اسرافیل مشتاق
فغانِ شور افزائے تو باشد

رُباعی

ظاہر میں تو یار باصفا ہیں یہ لوگ
باطن میں یہ سخت کج ادا ہیں یہ لوگ
پالا نہ پڑے کسی کو ان سے یارب
بے مہر ہیں دشمن وفا ہیں یہ لوگ
